اخوان المسلمون

خلیل احمد حامدی

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اخوان المسلمون دنیائے عرب میں عہد حاضر کی سب سے بڑی اسلامی تحریک ہے۔ ۱۹۲۸ء میں یہ تحریک وجود میں آئی اور مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی ۱۹۵۴ء میں شدید آزمائش سے دوچار ہوگئی، اور ابھی تک اس کی آزمائش کا یہ طویل دور ختم نہیں ہوا۔ لیکن ۱۵ سال کے عرصۂ قلیل میں اس تحریک نے جو کام انجام دے دیا تھا، وہ اس قدر دوررس، اثر انگیز اور نقش بر حجر ثابت ہوا، کہ کہنے کو تو یہ جماعت ختم کر دی گئی، مگر نہ ذہن وقلب سے اس کی دعوت محو ہوئی، نہ ذوق ونگاہ اس کی عشق ومستی سے بے گانہ ہوسکے، نہ اس کے تراشے ہوئے اخلاق وکردار زنگ آلود ہوئے۔ دل برابر اس کی یاد سے معمور رہے اور نگاہیں پیہم اس کی جلوہ آفرینیوں سے مسحور رہیں اور مؤرخ کا قلم یہ لکھنے پر مجبور ہوگیا کہ گو اس خدا پرست جماعت کو تنظیم کی حیثیت سے منتشر کر دیا گیا ہے، مگر یہ تحریک کی حیثیت سے نہ صرف قائم ودائم ہے، بلکہ کوئی آمریت، کوئی استبداد اور کوئی سازش اسے محروم وجود نہیں کرسکتی۔ بلکہ سرزمین عرب اب پھر اس دعوت کی شدت سے پیاس محسوس کر رہی ہے اور قومیت ولادینیت، اشتراکیت وبعثیت اور ملوکیت وآمریت کے ہزاروں آستانوں پر جبہ سائی کے بعد اب پھر وہ اپنے یگانہ ویکتا مرکز کی طرف لوٹ آنے کو بیتاب ہے اور فطرت اشارے کر رہی ہے کہ اب پھر کوئی حسن البنّاؒ اٹھنے والا ہے اور خزاں رسیدہ چمن کی آبیاری کرنے والا ہے۔

زیر نظر رسالہ تحریک کی مختصر تاریخی سرگزشت ہے، یہ مضمون ماہنامہ 'ترجمان القرآن' اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۶۶ء اور جنوری ۱۹۶۷ء کے شماروں میں شائع ہو چکا ہے اور اب دوستوں

کے اصرار اور مشورے کے تحت اسے پمفلٹ کی شکل میں چھاپا جا رہا ہے۔

اخوان المسلمون کی تاریخ، دعوت اور خدمات سے مکمل طور پر آگاہ ہونے کے لیے گویا مختصر مضمون ناکافی ہے، مگر اس سے اجمالی تعارف کسی نہ کسی حد تک ہو جائے گا۔ دراصل راقم الحروف اخوان کی تاریخ پر ایک مکمل کتاب تیار کر رہا ہے، اس کے لیے ضروری مآخذ تیار کر لیے گئے ہیں۔ اگر زندگی نے وفا کی تو یہ کتاب کسی لمبی تاخیر کے بغیر منظر عام پر آ جائے گی۔ اخوان کی تاریخ کا مکمل مطالعہ دو پہلوؤں سے نہایت مفید اور ضروری ہے۔ ایک اس عظیم تاریخ کی وہ خدمات جاننے کے لیے جو اس نے عرب معاشرے میں سر انجام دیں، اور دوسرا اس پہلو سے کہ عہد حاضر میں اسلامی تحریک کو کن کن مخالفتوں اور صعوبتوں سے سابقہ پیش آ سکتا ہے اور ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے کیسے وسائل، کس نوعیت کے کردار اور کس درجہ ایمان و آگہی کی ضرورت ہے۔

خلیل احمد حامدی

اچھرہ۔ لاہور

۱۰ر جنوری ۱۹۷۱ء

قیام تحریک سے پہلے کے حالات

پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ کے ساتھ ہی مصر شدید سیاسی جھٹکوں سے دوچار ہوا۔ ملک کے اندر بوقلموں ملکی اور ملی مسائل نے سر اٹھالیا۔ تورانی قومیت کے علم بردار ترکوں نے جب خلافت کی تنسیخ کا اعلان کیا تو اس کے ردعمل میں عربوں کے اندر قومیت اور وطنیت کے رجحانات ابھر آئے۔ اپنی تاریخ، سیاسی حیثیت اور ازہر کے بین الملی مقام اور بعض دوسرے اسباب کی بدولت مصر کو عرب دنیا کی قیادت حاصل رہی ہے، اس لیے مصر میں قومیت اور وطنیت کے نعرہ نے جب جنم لیا تو آناً فاناً تمام عرب ملکوں میں اس کی صدائے بازگشت سنی گئی۔ مختلف وطنی تحریکوں نے پر پرزے نکالے۔ سعد زغلول (متوفی ۱۹۲۷ء) کے نعرہ 'الدین للہ والوطن للجمیع' کو فروغ ہوا۔ مصطفیٰ نحاس پاشا (متوفی ۱۹۶۴ء) کی قیادت میں وفد پارٹی کو عروج حاصل ہوا۔ وطنی تحریک نے وطن پرستی کی آڑ میں اور ترکوں کی تنسیخ خلافت کو بہانہ بنا کر الحاد، زندقہ، آوارہ خیالی اور مغرب پرستی کو ہوا دی۔ نتیجتاً اسلام اور تجدد (یا صحیح لفظوں میں مغرب پرستی) کی طویل اور دوررس نتائج کی حامل کشمکش کا آغاز ہوا۔ تجدد پرستوں کا محاذ مضبوط تھا کیونکہ حکومت اور پریس کی طاقت ان کے ہاتھ میں تھی۔ اس کے مقابلے میں اسلامی روایات کے علم بردار نہ صرف کم زور تھے بلکہ جو تھے وہ بھی خود اعتمادی سے محروم۔ مزید برآں سیاسی پارٹیوں کی باہمی آویزش نے بھی ملک کی فضا کو مکدر کر دیا تھا۔ وفد پارٹی کی حکومت بنتی تو وہ وفد سے ملک کی تطہیر کو موضوع بنا لیتی۔

اسی زمانے میں علی عبدالرزاق کی رسوائے زمانہ کتاب 'الاسلام واصول الحکم' (اسلام اور اصول حکمرانی) شائع ہوئی۔ اس کتاب کا مرکزی موضوع ہے 'دین کا سیاست اور ریاستی امور

سے کوئی تعلق نہیں ہے' اور' خلافت کے ادارہ کو سیاسی اختیارات دینے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں '۔طٰہٰ حسین کی کتاب 'فی الشعر الجاهلی بھی اس دورِ کشمکش کی پیداوار ہے جس میں خود قرآن کے بارے میں شکوک وشبہات اٹھائے گئے ہیں۔قاسم امین کی کتاب تحریر المرأة میں عورتوں کے لیے ان آزادیوں کا مطالبہ کیا گیا ہے جو مغرب میں عورت کو حاصل ہیں۔المجمع الفکری کا قیام عمل میں آیا تا کہ فکر و نظر کی آزادی کے نام سے اسلام بلکہ تمام ادیان پر حملے کیے جاسکیں۔ ہفت روز السیاسة تجدّد پسندوں کا آرگن تھا، اور لاگ لپیٹ کے بغیر تجدّد، فرعونی تہذیب کے احیا اور مغرب سے وابستگی کی دعوت دیتا تھا۔دستور پارٹی کے بااثر لیڈر عدلی یکن، عبدالخالق ثروت، اسماعیل صدقی، محمد محمود اور لطفی السیّد اس کے سرپرست تھے، اور اسلام پر اس کے حملوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔امین رافعی کا الاخبار اسلامی مطالبات کی تائید کرتا رہا، مگر اپنے مجاید ایڈیٹر کی وفات (۱۹۲۶ء) کے بعد یہ بھی ابدی نیند سو گیا۔اب میدان صحافت میں صرف محب الدین الخطیب کا ہفت روزہ الفتح رہ گیا تھا، مگر نقار خانے میں اس طوطی کی آواز کسے سنائی دیتی۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا دین کا محاذ کمزور اور منفی نوعیت کا تھا۔سید جمال الدین افغانی (م ۱۸۹۷ء) کے بعد محمد عبدہ نے ان کے مشن کو سنبھالا۔مگر شیخ محمد عبدہ سیاست کے میدان میں بالکل ناکام رہے۔ویسے بھی اپنے استاذ سید جمال الدین افغانی کے برعکس وہ یورپ سے مرعوب تھے۔ان کے شاگردوں میں سید رشید رضا (م ۱۹۳۳ء) کے سوا کوئی مردِ مجاہد نہ نکلا۔رشید رضا کا دائرۂ عمل گو کہ محدود تھا، اور وہ ترکوں اور عربوں کی کشمکش میں عرب قوم پرستوں کے ہمنوا تھے، مگر ان کے بعد تو رہی سہی آواز بھی دب گئی اور مصطفیٰ صادق رافعی کو چھوڑ کر اس طوفان اباحیت و آوارگی کا خود اعتمادی سے مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔

حالات اس درجہ بدتر ہو گئے کہ نہ صرف مصر میں بلکہ اکثر عرب ملکوں میں فرعونیت و نمرودیت کا کلمہ پڑھا جانے لگا۔خاندان نبوت کے گلِ سرسید فیصل بن حسین نے کہا:

ان العرب كانوا عربًا قبل محمّد و موسیٰ (عرب محمد اور موسیٰ علیہم الصلوٰة والسّلام سے پہلے بھی عرب تھے)

دمشق یونیورسٹی میں علانیہ خدا کا جنازہ نکالا گیا۔کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کھلّم کھلاّ

اسلام اور محمد ﷺ پر زبانِ طعن دراز کی جانے لگی۔ سیاسی مجلسوں میں اسلام کا نام لینا نکو بن جانے کے مترادف بن گیا۔ پارکوں اور باغوں میں اچھے خاصے مسلمان نماز پڑھتے ہوئے شرمانے لگے۔ یہاں تک نوبت پہنچ جانے کے بعد غیرت حق کو جنبش ہوئی اور محمودیہ کے ایک نوجوان سے مشیت ایزدی نے وہ کام کرایا جو بڑے بڑے علماء و مشائخ سے بھی نہ ہوسکا۔ ہمارا اشارہ اخوان المسلمون کے بانی امام حسن البنا کی طرف ہے۔

حسن البنّا - شخصیت و حالات

حسن البنا ۱۹۰۶ء میں محمودیہ میں پیدا ہوئے۔ گھر کا ماحول خالص اسلامی تھا۔ ان کے والد شیخ احمد عبدالرحمان البنّا کا پیشہ اگرچہ گھڑی سازی تھا مگر وہ خود بہت بڑے عالم تھے۔ فقہ و حدیث پر گہری نظر، قرآن کے حافظ تھے۔[1] عبدالرحمان البنّا نے اپنے ہونہار صاحب زادے کو بچپن میں قرآن حفظ کروادیا، اور ان کی توجہ دینی علوم کی طرف مبذول کرادی۔ حسن البنا گھریلو تعلیم و تربیت کے ساتھ اسماعیلیہ کے مدرسہ الرشاوالدینیہ میں داخل ہوئے۔ یہ مدرسہ اگرچہ حکومت کے زیر انتظام تھا، مگر اس میں دینی تعلیم و تربیت پر خاص زور دیا جاتا تھا۔ ۱۴ برس کی عمر (۱۹۲۰ء) میں (منہور کے ٹیچرز ٹریننگ اسکول میں داخل ہو گئے اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے برعکس مذہبی فرائض کے سخت پابند رہے۔ اس کے بعد انہیں ایک تعلیمی ادارے میں معلمی کے فرائض سونپے گئے لیکن انہوں نے تعلیم کی تکمیل کے لیے قاہرہ کا رخ کیا اور دارالعلوم (موجودہ قاہرہ یونیورسٹی) میں داخلہ لے لیا۔ دارالعلوم اس زمانے میں چھوٹا ازہر کہلاتا تھا۔ جدید علوم: مثلاً تربیت، علم النفس، فلسفہ، منطق، سیاسیات، اجتماع اور ریاضی کے ساتھ ساتھ لسانیات پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ طریقۂ تدریس

۱۔ شیخ احمد عبدالرحمان البنّا نے متعدد کتب احادیث کی شرحیں لکھی ہیں اور پرانی کتابوں کو نئے سرے سے مدون کیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی مسند کو فقہی ابواب کے تحت مرتب کیا ہے، ہر حدیث کی تخریج کی ہے، رجال و سند پر کلام کیا ہے اور احادیث پر تشریحی حواشی لکھے ہیں۔ کتاب کا نام ہے 'الفتح الربانی فی ترتیب مسند الامام احمد الشیبانی' اور شرح کا نام ہے 'بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی' اسی طرح ابوداؤد الطیالسی کی مسند کی 'منحۃ المعبود' کے نام سے تبویب و تشریح کی ہے۔ امام شافعیؒ کی مسند اور سنن کو 'بدائع المسند' کے نام سے نئے سرے سے جمع و ترتیب سے آراستہ کیا ہے۔ ایک اکیڈمی کا کام عبدالرحمان البنّا کی تنہا ذات نے انجام دیا ہے۔ ان کی وفات ۱۹۶۰ء میں ہوئی۔

جدید طرز کے مطابق تھا۔ ۱۹۲۷ء میں حسن البنا نے دار العلوم سے گریجویشن کی۔ اس امتحان میں اپنے ساتھیوں میں اول آئے، اور پورے مصر کے اندر انھوں نے پانچویں پوزیشن حاصل کی۔ فراغت کے بعد انہیں وزارت تعلیم کی طرف سے اسماعیلیہ کے مدرسہ امیریہ (گورنمنٹ اسکول) میں مدرس مقرر کیا گیا اور وہ اسماعیلیہ چلے گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۱ سال تھی۔ ۱۹۳۳ء میں انہیں اسماعیلیہ سے قاہرہ تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے بعد وہ قاہرہ ہی میں رہے۔ ۱۹۴۶ء میں وزارتِ تعلیم کی ملازمت سے مستعفی ہو گئے اور یکسوئی کے ساتھ دعوت کی توسیع و تنظیم میں لگ گئے۔

حسن البنّا معلم سے زیادہ داعی تھے۔ مشیت ایزدی ان سے جو کام لینا چاہتی تھی، گھر کا ماحول اور تعلیم ان کو اسی کے لیے تیار کر رہے تھے۔ ازہر کی تعلیم کے بجائے دار العلوم کا تعلیمی نظام ان کے داعیانہ پہلو کو اجاگر کرنے میں خاص طور پر ممد اور مفید ثابت ہوا۔ ماحول کا بگاڑ، طوفان الحاد و دہریت اور ازہری مصلحین کی نارسا مساعی ان کے اندر اضطراب و قلق کے سمندر متلاطم کر رہی تھیں۔ قدرت نے انہیں بڑی ہی باوقار اور مرعوب کن شخصیت عطا کی تھی، جسے خرابیِ حالات نے سیماب وش بنا دیا تھا۔

انہیں صحت مند سیاسی اور اجتماعی شعور سے نہ صرف بہرۂ وافر ملا تھا بلکہ داعی کی جملہ خصوصیات اور صلاحیتیں موجود تھیں۔ چنانچہ وہ تنہا اٹھے، مگر ایک امت کی قوت بن کر، اسلام کے خزاں رسیدہ گلستان کو مدت قلیل میں ہرا بھرا کر دیا۔ پانی سے سیراب کرنے کے بجائے خون سے سیراب کرنے کی سنت کو زندہ کیا، اور عاشقانِ پاک طینت کی ایک ایسی جماعت کھڑی کر دی جو ان کی تجویز کردہ 'راہِ جنون' پر پوری شان جذب و وارفتگی کے ساتھ گام زن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حسن البنا کو دعوت و اصلاح اور جہاد و نصیحت کا جو جذبہ ودیعت کیا تھا وہ زندگی کے ہر مرحلہ میں ظہور پذیر ہوتا رہا۔ 'الاخوان المسلمون' (مسلمان بھائی) کے نام سے باقاعدہ ایک جماعت کی تشکیل مارچ ۱۹۲۸ء کو اسماعیلیہ میں ہوئی۔ مگر اس تشکیل سے قبل حسن البنا کی زندگی بتا رہی تھی کہ یہ شخصیت نہ صرف مصر بلکہ پورے عالم عرب پر اثر انداز ہونے والی ہے۔

دعوت اسلامی سے ان کی لگن

حسن البنّا جس زمانہ میں مدرسۃ الرشاد الدینیہ کے معصوم طالب علم تھے ان کا گزر ایک

دن محمودیہ کی ندی پر ہوا۔ کنارے کے پاس ایک بادبانی کشتی کھڑی دیکھی جس پر لکڑی کی ایک عریاں مورتی آویزاں تھی۔ حسن البنّا اس منظر کو دیکھ کر سخت رنجیدہ ہوئے۔ فوراً مقامی پولیس چوکی میں گئے۔ اور پولیس افسر کے سامنے اس مورتی کے خلاف احتجاج کیا۔ پولیس افسر معصوم طالب علم کی غیرت ایمانی سے متاثر ہوکر فوراً ملاح کے پاس گیا اور مورتی کو مستول سے اتروادیا۔

اسی زمانے میں مدرسۃ الرشادالدینیہ میں طلبہ نے 'جمعیت اخلاق ادبیہ' کے نام سے ایک بزم قائم کی اور اس کے صدر حسن البنا منتخب ہوئے۔ مگر نوخیز داعی کی امنگیں بھلا یہ بزم کیا پوری کرسکتی تھی اس نے مدرسہ کی حدود سے باہر ایک اور انجمن قائم کی۔ جس کا نام تھا 'جمعیت منع المحرمات' (انجمن انسداد محرمات)۔ یہ جمعیت لوگوں کو خطوط کے ذریعہ نیکی کی تلقین کرتی تھی۔ جس شخص کے بارے میں اس جمعیت کو خبر ملتی کہ وہ محرمات کا ارتکاب کرتا ہے یا فرائض میں تساہلی برتتا ہے، جمعیت کی طرف سے گم نام طریقے سے ایک خط ارسال کردیا جاتا جس میں اسے خدا و آخرت کا خوف دلایا جاتا۔

دَمنہور کے ٹیچرز ٹریننگ اسکول میں جب حسن البنا پہنچے تو ان کا تعارف طریقۂ حصافیہ کے شیخ سے ہوا۔ طریقہ حصافیہ کے پیرو عشاء کے بعد ذکر اللہ کی مجلس منعقد کرتے تھے۔ حسن البنا ان روحانی مجلسوں سے متاثر ہوئے اور اس سے ان کے جذبۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مزید غذا ملی۔ قدرت نے یوں ان کے روحانی پہلو کی تربیت کا خاص انتظام فرمادیا۔ طریقۂ حصافیہ اگرچہ تصوف کا ایک سلسلہ تھا، مگر حسن البنا نے اس طریقہ سے صرف قلبی غذا اخذ کی کیوں کہ ان کی نگاہ میں دعوت کو کسی خاص طریقہ میں محدود ہونے کے بجائے عام ہونا چاہیے اور علم اور تربیت اور جہاد پر مبنی ہونا چاہیے۔ اسی زمانے میں ایک اور صوفی تاجر سے ان کی راہ و رسم بڑھی۔ یہ تاجر اسکول کے لڑکوں کو ہفتہ عشرہ میں ایک مرتبہ قبور کی زیارت کے لیے لے جاتا اور وہاں انہیں صلحاء کی حکایت و احوال سناتا، جس سے ان کے دل گداز اور ان کی آنکھیں اشک بار ہوجاتیں، اور ان کے اندر خدا اور رسول کی اطاعت کا جوش و جذبہ امڈ آتا۔ حصافی اخوان سے بھی حسن البنا کے روابط روز بروز مضبوط ہوتے گئے۔ حسن البنا نے ان کو جمع کرکے ایک انجمن قائم کی جس کا نام تھا 'جمعیت حصافیہ خیریہ' (حصافی بھائیوں کی رفاہی انجمن)۔ حسن البنّا اس انجمن کے سکریٹری منتخب ہوئے۔ اس انجمن کے دو مقصد تھے۔ ایک اخلاق فاضلہ کی دعوت اور منکرات و

محرمات کا سد باب، دوسرا عیسائی مشنریوں کا سد باب، جو علاج، خانہ داری کی تعلیم اور یتیم خانوں کی آڑ میں عیسائیت پھیلا رہے تھے۔ حسن البنا کی عمر اس وقت ۱۴ سال تھی۔

قاہرہ میں ابتدائی کوششیں

جب قاہرہ گئے اور دارالعلوم میں داخل ہوئے تو ایک طرف خارجی ماحول اور دوسری طرف داخلی احساسات نے انہیں بے چین کر دیا۔ 'جمعیت مکارم اخلاق' میں رکن کی حیثیت سے شریک ہوئے جو اس وقت قاہرہ کے فساد زدہ ماحول میں واحد اصلاحی انجمن تھی۔ اس جمعیت کے درسوں میں وہ پابندی سے شریک ہوتے رہے۔ لیکن قاہرہ بے راہ روی، فساد اخلاق اور مغربیت میں جس بری طرح ڈوبا جارہا تھا، حسن البنا کی نظر میں اس کا تدارک مسجد کے وعظوں سے نہیں ہوسکتا تھا۔ انہوں نے سوچا۔ 'جو لوگ مسجد میں نہیں آتے دراصل وہ وعظ وارشاد کے زیادہ محتاج ہیں۔ ان میں دینی اور اخلاقی اصلاح کی فکر ہونی چاہیے۔' اس غرض کے لیے حسن البنّا نے دارالعلوم اور ازہر کے طلبہ پر مشتمل ایک گروہ تیار کیا، اور انہیں قہوہ خانوں میں (جہاں سینکڑوں لوگ روزانہ شام کو تفریح کے لیے جمع ہوتے ہیں) اور پبلک اجتماعات میں درس وتدریس اور وعظ ونصیحت کی طرف راغب کیا۔ یہ گروہ جس میں حسن البنا خود بھی شامل تھے، قہوہ خانوں میں جا کر قرآن اور حدیث کے درس دیتا اور نرد بازی، قہوہ نوشی، شیشہ کشی اور قصہ خوانی کے بجائے جمہور کو دین کے تقاضوں کی جانب راغب کرتا۔ اس طریقۂ وعظ پر مشائخ کی طرف سے بار بار انگشت نمائی کی گئی مگر یہ کام یاب رہا اور شہروں سے گزر کر قصبوں اور دیہاتوں میں بھی اس کا تجربہ کیا گیا۔ اسی گروہ کے اندر سے ایک کمیٹی وجود میں آ گئی، جو دعوتِ اسلامی کی اشاعت کی نگراں قرار پائی۔ گرمائی تعطیلات میں یہ گروہ غیر معمولی طور پر سرگرم ہو جاتا اور شہر اور دیہات اس کی جولان گاہ بن جاتے۔ حسن البنّا اور ان کے ساتھیوں کو اس طریقۂ دعوت سے دو چیزیں حاصل ہوئیں: خود اعتمادی اور عوامی خطابت کا کام یاب انداز۔

لیکن کمالی انقلاب کے بعد مصر میں الحاد واباحیت کی جو وبا پھوٹ پڑی تھی اور جس طرح ہر پیر و جوان اس کی لپیٹ میں آ رہا تھا، اس کے سامنے یہ محدود وناتواں 'واویلا' بے اثر تھا۔ حریت

اور جمہوریت کی آڑ میں ایسے اخبارات ورسائل اور ایسا لٹریچر بازار میں آنے لگا جس کا مقصد دینی اثرات کو کم زور کرنا اور عوام کے دل سے دین کے احترام کو ختم کرنا تھا۔ تا کہ 'حریت پسندوں' کے دعوے کے مطابق ملک حقیقی طور پر فکر اور عمل کی آزادی سے بہرہ ور ہوسکے۔ حسن البنّا کی نظر میں 'حالات کسی بڑے اور ٹھوس کام کا تقاضا کر رہے تھے۔' چنان چہ انہوں نے علماء اور مشائخ کو اس کام کی طرف توجہ دلانی شروع کی اور ایک جماعت کی شکل میں میدان میں اترنے پر اکسایا۔ سید رشید رضا مرحوم مدیر مجلۃ المنار سے ملے۔ المکتبہ السّلفیہ کے مالک محب الدین الخطیب سے ربط قائم کیا۔ ازہر کے نام ور عالم دین شیخ دجوی سے دردِ دل بیان کیا۔ شیخ محمد خضر حسین شیخ الازہر کے آگے حالات کی شکایت کی، فرید وجدی سے تبادلۂ خیالات کیا۔ یہ حضرات اس وقت مصر کے چوٹی کے اہل علم تھے۔ حسن البنّا ایک ایک سے ملے اور انہیں اسلام کے لیے ٹھوس بنیادوں پر کام کرنے کی دعوت دی۔ ان کی اس تگ وتاز کے نتیجے میں ان حلقوں میں ہلچل پیدا ہوگئی اور پہلے ہفت روزہ 'الفتح' کا اجرا ہوا، اور پھر 'جمعیت الشبان المسلمین' کی تاسیس ہوئی، الفتح نے محب الدین الخطیب کی زیر ادارت ملحدانہ افکار کے صنم کدے میں جہاد کا نعرہ بلند کیا اور جمعیت الشبان المسلمین نے ڈاکٹر عبدالحمید سعید کی قیادت میں نوجوان نسل کو بے راہ روی سے بچانے کا بیڑہ اٹھایا۔

حسن البنّا جمعیت الشبان المسلمین میں شامل ہو گئے بلکہ بانیوں میں شمار ہوئے۔ اس وقت حسن البنا دار العلوم کے آخری سال کے طالب علم تھے۔ دار العلوم کی طرف سے انہیں تھیسس کا جو موضوع دیا گیا اس کا عنوان تھا: 'تعلیم کے بعد آپ کیا کام کرنے کی خواہش رکھتے ہیں اور اس کے لیے کیا وسائل اختیار کریں گے؟' حسن البنّا نے اس کے جواب میں لکھا:

> "میں داعی اور معلم بننا چاہتا ہوں، دن کو سال کے اکثر ایام میں مصر کی نئی نسل کو تعلیم دوں گا، اور راتوں کو اور چھٹیوں کے ایام میں ان کے والدین کو دین کے مقصد سے آگاہ کروں گا۔ انہیں بتاؤں گا کہ سعادت کا سرچشمہ کہاں ہے، اور زندگی کی مسرتیں کیسے دستیاب ہوں گی۔ اس غرض کے لیے ہر وہ وسیلہ اختیار کروں گا جو میرے بس میں ہوگا تقریر سے، گفتگو سے، تالیف وتصنیف سے، کوچہ گردی اور بادیہ پیمائی سے، الغرض ہر موثر ہتھیار سے مدد لوں گا۔"

یہ ہیں اس نوجوان کے جذبات، جو قعر دریا میں اترا ہوا ہے اور پھر نہ صرف اپنے دامن کو تر ہونے سے بچانے کا عزم رکھتا ہے، بلکہ دوسروں کے دامن کی بھی اسے فکر ہے۔

اسماعیلیہ میں قیام اور تاسیس جماعت

۱۹۲۷ء میں حسن البنّا نے دارالعلوم کا ڈپلوما لیا، اور اسماعیلیہ کے مدرسہ امیریہ میں مدرس مقرر کردیئے گئے۔ اسماعیلیہ انگریز کی چھاؤنی تھی۔ نہر سویز انگریز فوجوں کے قبضہ میں تھی۔ سویز کمپنی نے (جس پر انگریزوں اور فرانس کی اجارہ داری تھی) مصر کی اقتصادی شہ رگ کو دبا رکھا تھا۔ مسلمان مذہبی گروہوں میں منقسم تھے۔ عوام الناس مذہبی جھگڑوں سے بے زار ہوکر مسجدوں کے بجائے قہوہ خانوں کا رخ کرچکے تھے۔ حسن البنّا نے اسماعیلیہ کے تین قہوہ خانوں کو منتخب کرلیا۔ تقریروں اور گفتگوؤں کے ذریعہ لوگوں کو جھنجھوڑا اور ان میں فریضۂ اقامت دین کا احساس پیدا کیا۔

مارچ ۱۹۲۸ء کو اسماعیلیہ کے معزز اور باشعور لوگوں کی ایک جماعت حسن البنّا کے گھر پر جمع ہوئی۔ یہ جماعت چھ افراد پر مشتمل تھی جن کے نام یہ ہیں: حافظ عبدالحمید، احمد الحصری، فواد ابراہیم، عبدالرحمان حسب اللہ، اسماعیل عز، زکی المعربی۔ یہ لوگ کام کرنے کا عزم لے کر آئے تھے، گفتگو اور تبادلۂ خیالات کے بعد انہوں نے حسن البنا کو کام کی نگرانی، قیادت اور رہ نمائی کا فرض سونپا، اور اسلام اور مسلمانوں کی بقا کے لیے ہر ممکن قربانی دینے کی بیعت ہوئی۔ اس مختصر سی تنظیم کا نام کیا ہو؟ ۔حسن البنا نے برجستہ کہا: ہم سب الاخوان المسلمون (مسلمان بھائی ہیں)۔ یوں یکا یک یہ نام زبانوں پر آ گیا اور اسی سے یہ جماعت متعارف ہوئی۔

تاسیس جماعت کے بعد حسن البنّا ۵ سال تک اسماعیلیہ میں رہے اور اس کے بعد ۱۹۳۳ء میں ان کی تبدیلی قاہرہ میں ہوگئی۔ اسماعیلیہ کے ۵ سال یہ جماعت نہایت خاموشی کے ساتھ کام کرتی رہی۔ مسجد اس جماعت کا مرکز تھی اور 'پوری زندگی کو اسلام کے رنگ میں رنگ دو'۔ اس جماعت کا مشن تھا۔

اسماعیلیہ کے علاوہ حسن البنّا اور ان کے رفقا نواحی آبادیوں میں بھی دعوت کی اشاعت کے لیے نکلتے۔ ہفتہ وار تعطیل میں ان کا ہدف ملحقہ آبادیاں ہوتیں اور سالانہ تعطیلات میں

دور دراز مقامات۔ درس وتدریس اور وعظ و بحث اشاعت دعوت کے وسائل تھے۔ بعض مشائخ اور اہل کینہ نے حسن البناؒ کو ہدف تنقید بنایا۔ مگر اس کے علی الرغم یہ خاموش سیلاب بہتا رہا۔ جماعت کے لوگ عوامی اجتماعات کی جگہوں میں درس دیتے۔ توحید وآخرت ان کا موضوع ہوتے۔ اختلافی مسائل سے پرہیز کرتے، عام ملکی حالات کا تجزیہ کیا جاتا، عوام کو داخلی اور خارجی خطرات کی جانب توجہ دلائی جاتی۔ ان کی دعوت سے متاثر ہونے والوں کی اکثریت محنت کاروں پر مشتمل تھی۔ حسن البناؒ کے الفاظ میں:

"جماعت کے کارکنوں نے کوئی قصبہ اور بستی ایسی نہ چھوڑی جہاں وہ نہ پہنچے ہوں، مسجدوں میں، گھروں میں اور چوپالوں میں جا جا کر انہوں نے دعوت پھیلائی۔"

ان پانچ سالوں کی کارکردگی یہ ہے: دو سالوں کے اندر ابوصویر، پورٹ سعید اور بلاح کے مقامات پر شاخیں قائم ہوگئیں۔ تیسرے سال سویز میں بھی ایک مضبوط شاخ وجود میں آگئی۔ چوتھے سال دس شاخیں قائم ہوگئیں۔

اسماعیلیہ میں لڑکیوں کا ایک مدرسہ کھولا گیا۔

امام حسن البناؒ کے قاہرہ منتقل ہوجانے سے دعوت نئے مرحلے میں داخل ہوگئی۔ اب تک تو یہ ایک ابتدائی کوشش تھی، لیکن اس کے بعد یہ ایک ملک کی عظیم تنظیم کی حیثیت سے ابھری۔ دوسرے لفظوں میں 'الاخوان المسلمون' کا تعارف ایک جامع اور ہمہ گیر تحریک کی شکل میں قاہرہ سے ہوا۔ اب ہم اخوان المسلمون کا جائزہ لینے کے لیے اسے چند عنوانات میں تقسیم کرتے ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ طوالت سے دامن بچا کر اس تحریک کی دعوت، اس کی خدمات اور اس کی سرگزشت سے اپنے قارئین کو متعارف کرائیں۔ اگرچہ سچی بات یہ ہے، کہ اتنی عظیم تحریک کو اتنے مختصر لفظوں میں پیش کرنا نہ راقم السطور کے بس کی بات ہے اور نہ اس تحریک کے ساتھ انصاف۔

تحریک اخوان کے مختلف مراحل

پہلا مرحلہ ۱۹۳۳ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک پھیلا ہوا ہے۔اس مرحلہ میں تحریک ایک ہمہ گیر نظریہ کے قالب میں ابھری۔دوسرا مرحلہ ۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۵ء تک جاری رہا۔اس مرحلہ میں اس دعوت نے برملا سیاسی میدان میں قدم رکھا،ایک مضبوط قوت کی حیثیت سے یہ حکومت کی نگاہ میں کھٹکنے لگی،اور آزمائشوں کے بادل اس کے سر پر گرجنے لگے۔تیسرا مرحلہ ۱۹۴۵ء سے جولائی ۱۹۵۴ء تک ۹ سالوں پر مشتمل ہے۔اس مرحلہ میں ایک طرف اخوان کی تحریک مصر کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی، اور دوسری طرف اس پر جبر وتشدد کے سخت وار ہوئے۔اس مرحلہ میں امام حسن البنا کی شہادت ہوئی۔استاذ حسن الہضیبی تحریک کے مرشد عام منتخب ہوئے۔ملک کے اندر فوجی انقلاب برپا ہوا۔اور یہ مرحلہ بالآخر انقلابی حکومتوں کے ہاتھوں اس جماعت کے خلاف قانون قرار دیئے جانے اور اس کے رہنماؤں کو پھانسی کی سزائیں دینے پر ختم ہوا ـــــــ ان تینوں مراحل کی مختصر روداد یہ ہے:

پہلا مرحلہ ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۹ء

خاموش اصلاحی کام

قاہرہ کے ابتدائی سالوں میں یہ دعوت حسب سابق خاموشی اور پردہ داری کے ساتھ جاری رہی۔ مسجدوں میں وعظ وتذکیر ہوتی، متاثرین اور حامیوں کو منظم کیا جاتا، شاخوں کی تاسیس ہوتی، قصبوں اور شہروں کے دورے ہوتے۔ ایک سال کے بعد (۱۹۳۴ء) میں امام حسن البنا نے ایک مضمون میں سالانہ کارکردگی کی رپورٹ دیتے ہوئے لکھا:

> ''اخوان کی دعوت اور نظریہ مصر کے ۵۰ سے زاید شہروں اور قصبوں تک پھیل گیا ہے۔ ان میں ہر جگہ کوئی نہ کوئی مفید اسکیم عمل میں آ گئی ہے۔ مثلاً اسماعیلیہ میں اخوان نے ایک مسجد بنائی ہے، ایک کلب بنایا ہے، بچوں کی تعلیم کے لیے حِرا نام سے اور بچیوں کے لیے 'امہات المومنین' نام سے مدرسے کھول دیئے ہیں۔ شبراخیت میں مسجد، کلب، بچوں کا اسکول اور ایک دار الصناعت قائم ہو چکا ہے۔ جو بچے تعلیم مکمل نہیں کر سکتے، وہ دار الصناعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح محمودیہ میں کپڑے اور قالین بننے کی ایک فیکٹری انہوں نے کھول لی ہے اور ساتھ ہی قرآن پاک کے حفظ وناظرہ کی تعلیم کی درس گاہ قائم کر دی ہے۔ دقہلیہ میں بھی حفظ وناظرہ کی تعلیم کا مدرسہ جاری ہو گیا ہے۔ الغرض ادفو سے لے کر اسکندریہ تک ہر شاخ نے کوئی نہ کوئی نفع بخش اسکیم جاری کر لی ہے۔''

تعلیمی خدمات اور حکومت سے اصلاحات کا مطالبہ

خود دعوت کے مزاج اور اس پر ملک کے نو بہ نو مسائل نے تحریک کے دائرے کو وسیع کر دیا اور ثقافتی اور سیاسی امور بھی اس کے منصوبے میں شامل ہو گئے۔ ثقافتی دائرے میں اخوان نے جو تعلیمی اور تربیتی اسکیمیں شروع کیں، نہ صرف عوام کے اندر انہیں مقبولیت حاصل ہوئی، بلکہ حکومت بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ وزیر اعظم محمد محمود پاشا نے اخوان کو ان علاقوں میں بھی مدارس کھولنے کا مشورہ دیا جہاں ان کے مدارس نہیں تھے۔ حسن البنا نے اسے ایک طویل خط میں توجہ دلائی۔

''مصری معاشرے کے اندر اخلاقی اقدار فنا ہو رہی ہیں، اخلاقی فضائل ومحاسن افسوس ناک حد تک پامال ہو چکے ہیں۔ ہر طرف سے ان کو تہ وبالا کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، افراد اور خاندان، ابدان واجسام، غرض ہر ایک بربادی کا نشانہ بن چکا ہے اور فوری اصلاح کا محتاج ہے۔ اصلاح کے لیے بھی متعدد وسائل اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ بنیادی وسائل یہ ہیں کہ تعلیم کے سرچشمہ کو درست کیا جائے، ملکی قانون میں مفید تبدیلیاں لائی جائیں، نوجوانوں کے فرصت کے اوقات کا بہتر مصرف پیدا کیا جائے اور منکرات کا سختی سے سدباب کیا جائے۔''

محمد محمود پاشا سے لے کر دوسری جنگ عظیم کے آغاز تک جتنی وزارتیں ملک میں قائم ہوئیں امام حسن البنا نے ان کو جماعت کی طرف سے خطوط لکھے۔ ان خطوط میں داخلی اصلاحات تجویز کی گئیں، اجتماعی اور اقتصادی اور ثقافتی پہلوؤں سے ملک کے حالات کو سدھارنے کا مشورہ دیا گیا، اور اسلامی شریعت کو نافذ کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ محمد محمود پاشا کو انہوں نے جو خط لکھا اس میں شرح وبسط سے مصری قوم کی حالت بیان کی اور مصر جس جہالت، غربت، بیماری، اخلاقی انحطاط اور تعلیمی پستی میں مبتلا تھا۔ اس کی جانب وزیر اعظم کو توجہ دلائی۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

''ان سب کا علاج کتاب اللہ کی تعلیمات میں ہے...... اگر یہ عذر پیش کیا جائے کہ

ملک کے اندر انگریز بیٹھا ہے، تو یہ بے بنیاد عذر ہے۔ انگریز کو ہمارے داخلی معاملات سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر یہ دلیل دی جائے کہ یہاں لاکھوں غیر ملکی رہتے ہیں، تو یہ دلیل بھی کوئی وزن نہیں رکھتی۔ ہم بات چیت سے ان کو سمجھا سکتے ہیں۔ وہ خود دیکھ لیں گے کہ اسلام کے احکام اور تعلیمات کس طرح ان کے حقوق کی ضمانت دیتے ہیں اور ان کے جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی بات ہم غیر مسلموں سے کہیں گے، انہیں ہماری تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ ہم نے کس طرح ان سے عدل وانصاف برتا۔ اصل روڑا خود مصری لیڈر ہیں۔ وہ اسلام کی دعوت ومزاج سے ناواقف ہیں۔ ضرورت ہے کہ وہ خود عقیدۂ اسلام اور شریعت اسلامیہ کی طرف رجوع کریں ـــــ مصر میں الحاد کی بیماری ترکی سے آتی ہے۔ اس لیے ہم محمد محمود پاشا کی حکومت کو مشورہ دیتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں کلمۂ اسلام کو بلند کرے اور اسے اپنا شعار بنائے۔"

مسلمان ملکوں کے سربراہوں کو دعوت

اخوان المسلمون کا وہ خط سب سے اہم ہے جو انہوں نے ۱۹۳۶ء میں شاہ مصر فاروق، مصر کے وزیر اعظم مصطفیٰ نحاس پاشا اور عرب اور مسلمان ملکوں کے سربراہوں کو لکھا ہے۔ اس خط کا عنوان ہے: 'روشنی کا پیغام' یہ خط اس وقت ہمارے سامنے ہے اور چھوٹے سائز کے ۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس خط میں انہوں نے بڑے ایجاز وبلاغت سے پہلے اسلام کے اصول ومبادی اور اسلامی تہذیب وتمدن پر روشنی ڈالی ہے اور صاف صاف لکھا ہے کہ اس قدر عظیم نظریۂ حیات کی موجودگی میں مغربی طرزِ زندگی اور طرز تمدن ومعاشرت کو اپنانا بہت بڑا خسارہ ہے۔ اس ابتدائی بحث کے بعد اسلامی نظریۂ حیات اور مغربی نظریۂ زندگی کا موازنہ کیا گیا ہے اور دونوں راستوں کی خصوصیات واضح کی گئی ہیں اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اسلام ہر پہلو سے خواہ عسکری تنظیم ہو یا صحت وتعلیم، اقتصادی اور معاشرتی اصلاحات ہوں یا ملکی قوانین، ملت اسلامیہ کی ترقی وخوش حالی کا ضامن ہے۔ آخر میں پچاس شقوں پر مشتمل اصلاحی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ ان میں

سے دس سیاسی، عدالتی اور ملکی نظم ونسق سے متعلق ہیں، تیس معاشرتی اور تعلیمی امور سے متعلق، اور دس اقتصادی مسائل سے متعلق۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تجاویز کی تیاری میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے۔ ان پر ایک نظر ڈالنے سے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ انہیں مرتب کرنے والے محض نظری اور کتابی علماء نہیں ہیں، بلکہ وہ ماہرین ہیں جو ملک کے مسائل سے براہ راست عملاً رابطہ رکھتے ہیں۔ یہ تجاویز اگرچہ آج سے ۳۰ برس پہلے مرتب کی گئی ہیں مگر آج ۳۰ برس گزر جانے کے بعد بھی تازہ معلوم ہوتی ہیں۔ اس خط کا خاتمہ ان لفظوں پر ہوتا ہے۔

> ''ہم اپنی تمام تر خدمات اور صلاحیتیں اور وسائل ہر اس حکومت کے تصرف میں دینے کے لیے تیار ہیں جو امت اسلامیہ کو ترقی وفلاح سے ہم کنار کرنے کا عزم کرے۔ ہم اس کی ہر پکار پر لبیک کہیں گے اور ہر قربانی دینے کے لیے مستعد رہیں گے۔''

۱۹۳۸ء میں شاہ مصر کو ایک خط لکھا اور سیاسی پارٹیوں نے ملک کے اندر جو افراتفری برپا کر رکھی تھی، اس کی شکایت کی۔ امیر عمر طوسن اور امیر محمد علی توفیق کو بھی اسی موضوع کا خط لکھا۔ اخوان کا خیال یہ تھا کہ اس وقت جتنی سیاسی پارٹیاں ہیں وہ خود ساختہ ہیں عوام کی نمائندہ نہیں ہیں۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ تمام محب وطن عناصر صحیح اسلامی نصب العین پر متحد ہوں اور اسے پوری طاقت اور محنت سے بروئے کار لائیں۔ ۱۹۳۸ء میں وزیر قانون احمد خشبہ پاشا کو ایک طویل یادداشت پیش کی جس میں وزیر قانون سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ 'پچاس سال تک غیر اسلامی قوانین کو آزمایا گیا ہے اور وہ سخت ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ اب اسلامی شریعت کا تجربہ کیا جانا چاہیے۔' اس خط میں اسلامی قوانین کی صلاحیت و برتری پر خود اہل مغرب کی شہادتیں بھی پیش کی گئی ہیں۔

جب مصطفیٰ نحاس پاشا ۱۹۳۸ء میں وزارت عظمیٰ کے منصب پر بیٹھے تو اخوان نے انہیں بھی ایک یادداشت پیش کی، اور ان سے مطالبہ کیا کہ مصر کی خارجہ پالیسی اسلامی ممالک سے دوستی کے اصولوں پر استوار ہونی چاہیے۔ اور اس کے پیش نظر اتحاد اسلامی کا قیام ہو۔ ۱۹۳۹ء میں نحاس پاشا کو ایک اور خط لکھا گیا، اور مشورہ دیا گیا کہ وفد پارٹی ـــــــ جس کے سربراہ نحاس پاشا تھے ـــــــ کے ممبروں کی زندگی اسلام کا صحیح نمونہ ہونی چاہیے اور وفد پارٹی اپنا

منشور اسلامی اصولوں کی روشنی میں وضع کرے۔اس منشور میں مقننہ کے نظام میں اصلاح اور شہری اور شرعی عدالتوں کی تفریق کا خاتمہ اور تمام عدالتوں میں اسلامی شریعت کے نفاذ کا پروگرام ہو۔ نیز تعلیمی نظام میں اصلاح اور شہری اور شرعی عدالتوں کی تفریق کا خاتمہ اور تمام عدالتوں میں اسلامی شریعت کے نفاذ کا پروگرام ہو۔ نیز تعلیمی نظام میں اصلاحات کی جائیں۔ ہر صحت مند شہری کو فوجی ٹریننگ دی جائے ،منکرات کا سد باب کیا جائے ،اقتصادی پالیسی کو تبدیل کیا جائے،تقلید یورپ کے رجحانات کو روکا جائے،سرکاری نظم ونسق کا بگاڑ درست کیا جائے ،ان تمام رسائل کا مرکزی موضوع یہ تھا کہ مصر کے اندر اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت قائم کی جائے۔عرب ممالک میں ان رسائل کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔شمالی افریقہ، سوڈان ،شام ،فلسطین اور اردن میں ان رسائل کی صدائے بازگشت سنی گئی۔ان رسائل نے اسلامی عناصر کے احساسات بیدار کرنے میں بڑی مدد دی ہے۔

اخوان نے صرف خطوط لکھنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مصری حکم رانوں کو نصیحت وتفہیم کے جو بہتر سے بہتر ذرائع ہوسکتے تھے استعمال کیے۔۱۹۳۶ء میں حسن البنّا نحاس پاشا سے ملے۔اس وقت نسیم پاشا وزیر اعظم تھے۔اخوان نے نسیم پاشا کی حکومت سے مصری مدارس کے اندر دینی تعلیم رائج کرنے کا مطالبہ کررکھا تھا۔حسن البنّا نے نحاس پاشا کو بھی مطالبے کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور ملک کے نام ور سیاست دان ہونے کی حیثیت سے اس مطالبہ کے لیے ان کی تائید بھی حاصل کی۔نحاس پاشا،حسن البنا سے اس قدر متاثر تھے کہ خود حسن البنا کے بقول 'وہ انہیں،یعنی حسن البنا کو-وفد پارٹی کا ایک رہ نما سمجھا کرتے تھے'۔

غیر اسلامی حکومتوں کے بارے میں اخوان کا موقف

حکومت کو راہ راست پر لانے کے لیے اخوان نے جو کوششیں کیں ان کے سلسلے میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس عرصہ میں مصر میں یکے بعد دیگرے جتنی حکومتیں قائم ہوئیں،خواہ وہ دستور پارٹی کی تھیں،یا وفد پارٹی کی یا آزاد،اخوان نے ان کی تائید نہیں کی۔بلکہ ہمیشہ ان سے الگ رہے۔اخوان کا اس سلسلہ میں یہ اصول تھا کہ:

''جوحکومت سراسر غیر اسلامی اصولوں پر قائم ہو، اس سے کچھ بھلائی کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی۔ وہ کسی تائید اور حمایت کی مستحق نہیں ہے۔''

لیکن چوں کہ حکمران مسلمان تھے اور اسلام کا انہوں نے کُھلا کُھلا انکار نہیں کیا تھا، اس لیے اخوان نے ہر حکومت سے اصلاحات کا مطالبہ کیا اور ملک کے اندر مکمل اسلامی نظام رائج کرنے کی اپیل ان سے کرتے رہے۔ اس کے ساتھ وہ قانون کے پابند رہے۔ انہوں نے کبھی تشدد اور قوت کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ اگر کسی وقت حکومت نے ان کے مطالبے کو صدق دل سے قبول کرنے کا اظہار کیا تو انہوں نے اس کی تائید میں بخل سے بھی کام نہیں لیا۔

جامع دعوت

اس مرحلہ کا آخری اور اہم ترین کام یہ ہے کہ اخوان کا مشن ایک ہمہ گیر اور جامع اور مکمل دعوت کی شکل میں سامنے آ گیا۔ ۱۹۳۸ء میں قاہرہ میں پانچویں کانفرنس منعقد ہوئی جس میں امام حسن البنا نے ایک طویل خطبہ دیا۔ اس میں پورے شرح وبسط کے ساتھ انہوں نے اخوان کے مقصد اور طریق کار کو بیان کیا ہے۔ اپنی دعوت کی جامعیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ:

''الاخوان المسلون ایک ''سلفی دعوت'' ہے، اس لیے کہ اخوان اسلام کی ابتدائی صورت کی طرف لوٹنے کی دعوت دیتے ہیں اور کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے اصل سرچشموں کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ ایک ''طریقۂ سنیت'' ہے۔ اس لیے کہ اخوان تمام معاملات اور عبادات میں سنت مطہرہ کی پابندی کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ایک ''تصوف'' ہے۔ اس لیے کہ اخوان کے خیال میں نیکی کی بنیاد طہارت نفس، صفائِ قلب، عمل پیہم، مخلوق سے بے نیازی، الحبُّ فی اللہ اور تعاون علی الخیر ہے۔ یہ ایک ''سیاسی جماعت'' ہے اس لیے کہ اخوان حکومت سے ایک طرف داخلی اور خارجی امور میں اصلاح کا مطالبہ کرتے ہیں اور دوسری طرف قوم کو خود داری اور عزت نفس کی تربیت دیتے ہیں۔ یہ ایک ''عسکری تنظیم'' ہے اس لیے کہ اخوان

جسمانی تربیت کی طرف خاص توجہ دیتے ہیں اور سپورٹس گروپ کی تشکیل کرتے ہیں۔ یہ ایک ''ثقافتی انجمن'' ہے اس لیے کہ اخوان کے کلب فی الواقع تعلیم وتہذیب کی درس گاہ ہیں اور عقل وروح کو جلا دینے کے ادارے ہیں۔ یہ ایک ''اقتصادی کمپنی'' ہے اس لیے کہ اسلام نے خاص نقطۂ نظر کے تحت کسبِ مال کی ہدایت کی ہے اور اخوان نے اسلامی تعلیمات کے مطابق قومی اقتصادیات کو مضبوط کرنے کے لیے تجارتی اور اقتصادی کمپنیاں قائم کرلی ہیں۔ یہ ایک ''اجتماعی نظریہ'' ہے اس لیے کہ اخوان معاشرے کے تمام امراض کی طرف متوجہ ہیں، ان کے علاج کی فکر کرتے ہیں اور امت کو ان سے نجات دلانے میں سرگرم ہیں۔'' (تلخیص)

اسلام کے بارے میں اخوان کا تصور

اسی خطاب میں حسن البنّا نے اپنی جماعت کے نظریہ ومسلک اور طریقِ کار اور ملکی مسائل کے بارے میں جماعت کے موقف اور دوسرے اسلامی ممالک کے بارے میں جماعت کی پالیسی پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ یہ خطاب چوں کہ آئندہ چل کر جماعت کے رہ نما اصول کی حیثیت اختیار کر گیا ہے، اس لیے اس خطاب کے بعض اہم گوشے بیان کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

''بعض لوگ اسلام کو بس ظاہری عبادات میں محدود سمجھتے ہیں۔ اگر وہ انہیں ادا کرلیتے ہیں یا کوئی دوسرا انہیں ادا کرلیتا ہے تو وہ مطمئن ہوجاتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو اسلام کو اخلاقِ فاضلہ اور روحانیت تامہ کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک مادی زندگی کی ساری آلائشوں سے مکمل اجتناب کا نام اسلام ہے۔ بعض ایسے ہیں جو اسلام کے عملی اور تحریکی پہلو کی زبانی پسندیدگی سے آگے نہیں بڑھتے۔ کچھ لوگ اسلام کو موروثی اور تقلیدی چیز سمجھتے ہیں، جس کا موجودہ زندگی کی دوڑ میں نہ کوئی مصرف ہے اور نہ فائدہ۔ اس لیے وہ اسلام پر اور ہر اس چیز پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں جس کا اسلام سے تعلق ہو۔ اس قسم کی باتیں آپ ان لوگوں سے

سنیں گے جو فرنگی تہذیب وثقافت میں رنگے ہوئے ہیں۔ یہ اور اسی قبیل کے اور کئی گروہ ہیں جو اسلام کے بارے میں اپنا ایک مخصوص نقطۂ نگاہ رکھتے ہیں......... ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور اس کے احکام دنیوی اور اخروی دونوں زندگیوں سے متعلق ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی تعلیمات زندگی کے روحانی پہلو یا انفرادی عبادت کی حد تک محدود ہیں اور دوسرے شعبۂ حیات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اسلام عقیدہ بھی ہے، اور عبادت بھی، وطن بھی ہے اور نسل بھی، دین بھی ہے اور ریاست بھی، روحانیت بھی ہے اور عمل بھی، قرآن بھی ہے اور تلوار بھی۔ قرآن ان ساری چیزوں سے بحث کرتا ہے اور انہیں اسلام کا لب لباب قرار دیتا ہے۔'' (تلخیص)

''الاخوان'' کی دعوت کی امتیازی خصوصیات پر کلام کرتے ہوئے حسن البنا نے فرمایا کہ: اس دعوت کی وہ خصوصیت جو اس کی ہم عصر جماعتوں میں نہیں پائی جاتی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱- فقہی اختلافات سے دوری
۲- ارباب جاہ سے بے نیازی
۳- سیاسی پارٹیوں سے بعد
۴- تدریجی طریقِ کار
۵- اشتہار و اعلان کے بجائے مثمر عملی کام
۶- نوجوان نسل کا اس کی جانب جوق در جوق رجوع
۷- شہروں اور قریوں میں دعوت کا تیزی سے پھیل جانا۔

مقصد اور طریقِ کار

مقصد اور طریقِ کار کو مختصر الفاظ میں یوں واضح کیا: الاخوان کی کوشش کا مقصود و مطلوب بس یہ ہے کہ مسلمانوں کی نئی نسل کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے اس درجہ آشنا کر دیا جائے کہ وہ

زندگی کے سارے گوشوں کو مکمل طور پر اسلام کے رنگ میں رنگ دے۔اس مقصد کے لیے انہوں نے جو طریقِ کار اختیار کیا ہے، وہ مختصر لفظوں میں یہ ہے: 'رائے عامہ کو بدلا جائے اور دعوت کے علم برداروں اور حامیوں کی اسلامی تعلیمات کے مطابق تربیت کی جائے تا کہ وہ اسلام سے وابستگی اور اسلام کی پیروی کے لیے دوسروں کے لیے نمونہ بن سکیں۔

جماعت کے کارکنوں کے سامنے آئیڈیل داعی کے اوصاف وخصائص پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''جس وقت تم میں سے تین سو دستے ایسے تیار ہو جائیں جن میں سے ہر ایک اپنے آپ کو تیار کر چکا ہو ــــــ روحانی طور پر ایمان اور عقیدہ کی طاقت سے مسلح ہو، فکری طور پر علم وثقافت کے جوہر سے آراستہ ہو، اور جسمانی طور پر ریاضت اور عسکری تربیت میں کامل ہو چکا ہو ــــــ اس وقت تم مجھ سے مطالبہ کر سکتے ہو کہ تمہیں لے کر سمندر کی پہنائیوں کو چیر جاؤں، آسمان کی بلندیوں کو جالوں، اور ہر باطل قوت سے ٹکرا جاؤں۔ اس وقت ایسا کرنے میں مجھے انشاء اللہ کوئی باک نہ ہوگا۔''

تشدد اور جاہ طلبی کا الزام اور اس کا جواب

مخالفین کے بعض اعتراضات اور شکوک وشبہات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''ایک گروہ ہم سے پوچھتا ہے کہ کیا الاخوان المسلمون کے پروگرام میں حکومت اور اقتدار بھی داخل ہے؟ جیسا کہ آپ سمجھتے ہیں ــــــ الاخوان المسلمون اپنے تمام اقدامات اور منصوبوں میں اسلامی حدود کے پورے پورے پابند ہیں۔ یہ جس اسلام پر ایمان رکھتے ہیں وہ حکومت کو بھی اپنا ایک رکن قرار دیتا ہے۔ اسلام تنفیذ احکام کو اتنا ہی ضروری قرار دیتا ہے جتنا تبلیغ ونصیحت کو۔ اسلام کے خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

ان اللہ لیزع بالسلطان مالا یزع بالقرآن۔

''اللہ تعالیٰ حکومت واقتدار سے ان امور کا سد باب کرتا ہے جن کا سدِ باب مجرد قرآن

سے نہیں ہوتا۔''

نبی ﷺ نے 'حکم' کو اسلام کی ایک کڑی شمار کیا ہے اور ہماری فقہ کی کتابوں میں بھی 'حکم' کو عقائد واصول میں شمار کیا گیا ہے نہ کہ فروع اور جزئیات میں۔''

''اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا الاخوان المسلمون اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے قوت کا استعمال کریں گے ــــــ لیکن جہاں تک متشددانہ انقلاب کا تعلق ہے، الاخوان اس کے بارے میں کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتے۔ وہ کسی حال میں اس طریق کار پر اعتماد نہیں کرتے، اور نہ اس کا نفع بخش اور نتیجہ خیز ہونا انہیں تسلیم ہے۔ یوں وہ مصر کی ہر حکومت سے صاف صاف کہتے ہیں کہ اگر حالات کی یہی رفتار رہی اور ارباب حل وعقد نے ان کے علاج کی کوئی تدبیر نہ سوچی تو اس کا لازمی نتیجہ متشددانہ انقلاب کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس طرح کا انقلاب اخوان برپا کریں گے یا ان کی دعوت ایسے نتائج پیدا کرے گی، بلکہ یہ حالات کا دباؤ، واقعات کا تقاضا اور اصلاح سے گریز کا نتیجہ ہوگا۔'' (تلخیص)

اس مرحلے میں اخوان نے کئی ہفتہ وار اور ماہانہ رسائل بھی نکالے ــــــ ہفتہ وار التعارف اور الشعاع اور ماہانہ المنار اسی دور میں نکلے اور مدتوں کے بعد مصر کی سرزمین اسلامی صحافت سے روشناس ہوئی ــــــ داخلی تنظیم وتربیت کے پہلو بہ پہلو بیرونی ممالک میں بھی دعوتی وفود بھیجنے کا سلسلہ شروع ہوا اور مختلف عرب ملکوں سے روابط قائم کیے گئے اور پھر وہاں موقع ومناسبت کے تحت اخوان کی شاخیں قائم کی گئیں جو مستقل مراکز کی حیثیت اختیار کر گئیں۔

دوسرا مرحلہ ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء

آزمائشوں کا آغاز

یہ مرحلہ ۶ سالوں پر مشتمل ہے۔ دنیا ان سالوں میں جنگ عظیم کے شعلوں میں گھری ہوئی تھی۔ اس سارے عرصہ میں الاخوان کی تحریک جبر وتشدد کا نشانہ بنی رہی۔ اس سے قبل اس تحریک کو اصلاحی اور دینی کوشش سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا رہا تھا، مگر جوں جوں اس کی دعوت زندگی کے ہر پہلو سے بحث کرنے لگی اور فکری اور اجتماعی انقلاب کے ساتھ سیاسی اور دستوری اصلاح کا بھی اس نے مطالبہ اٹھایا تو برسراقتدار گروہ کی پیشانی پر شکن آگئے۔ اس مرحلے میں تحریک کے دونوں پہلوؤں میں غیر معمولی ترقی ہوتی۔ امتحان وآزمائش میں بھی اور رفتارِ توسیع میں بھی۔

مؤخر الذکر پہلو میں اس کی ترقی وعروج کی وجہ یہ ہوئی کہ الاخوان کی کوششوں اور تعمیری کاموں کو دیکھ کر یونیورسٹیوں کے اساتذہ وطلبہ ان سے متاثر ہوئے اور ان کے حلقے میں شامل ہوگئے۔ خاص طور فواد الاول یونیورسٹی اور الازہر یونیورسٹی سے متعلق عناصر مختلف پیشوں کے لوگ بھی جوق در جوق شامل ہونے لگے۔ تاجر، صنعت کار، انجینئر، ڈاکٹر، اساتذہ، وکلاء ـــــ الغرض ہر طبقے کے افراد شامل ہوگئے۔ ایک طرف جماعت کے اقتصادی پروگرام وسیع سے وسیع تر ہوتے گئے اور دوسری طرف تعلیمی، ثقافتی اور جسمانی تربیت کے کاموں میں بھی متنوع ترقی ہوئی۔ ملک کے کونے کونے میں شاخیں کھل گئیں اور ان کے اندر منظم منصوبے جاری ہوگئے۔ مختصر یہ کہ یہ جماعت ملک کے اندر مضبوط تنظیم کی حیثیت سے ابھر آئی اور مخالفوں کی نگاہوں میں

کانٹا بن کر کھٹکنے لگی۔

یہ عالمی جنگ کا زمانہ تھا۔ مقامی حکومتیں خود اپنی مرضی سے اور استعماری طاقتوں کے اشارہ سے سیاسی پارٹیوں کا تعاقب کرنے لگیں۔ ملک کے اندر ہنگامی قوانین کا نفاذ ہونے لگا اور حکومتوں اور پارٹیوں کے درمیان تصادم کا آغاز ہوگیا۔ اس مرحلہ میں ملک کے اندر یکے بعد دیگرے آٹھ وزارتیں قائم ہوئیں۔ علی ماہر، حسین صبری، حسین سری، مصطفیٰ نحاس، احمد ماہر، نقراشی پاشا، اسماعیل صدقی اور دوبارہ نقراشی پاشا کی وزارت، علی ماہر اور حسین صبری کے عہد میں اخوان حسب معمول رسائل وخطابات کے ذریعہ وعظ ونصیحت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کام لیتے رہے۔ بلکہ علی ماہر نے جب مصر کو جنگ سے دور رکھنے کی قرارداد پیش کی تو اخوان نے غیر مشروط طور پر اس قرارداد کی تائید کی۔

آزمائش کے محرکات

حسین سری پاشا برسر اقتدار آئے تو اخوان پر مصائب وشدائد کا آغاز ہوگیا۔ الاخوان کی دعوت جس طرح دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہی تھی اس سے انگریز کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ حسن البنا نے پانچویں اجلاس (جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں) کے موقع پر الاخوان کی جو پالیسیاں وضع کی تھیں وہ انگریز کے لیے یہ یقین کرنے کے لیے کافی تھیں کہ یہ تحریک پوری عرب دنیا میں اس کے لیے مشکلات کی دیواریں چن رہی ہے۔

> عدلی یکن کی دستور پارٹی یا مصطفیٰ نحاس کی وفد پارٹی بلاشبہ مصر کی آزادی کی خواہاں تھیں۔ مگر یہ دونوں وطن پرست جماعتیں تھیں اور ان کی دل چسپی ''ارض نیل'' ہی تک محدود تھی۔ مگر الاخوان کی دعوت ان سب پابندیوں سے بالاتر تھی۔ الاخوان بیک وقت قومی اتحاد کے علم بردار بھی تھے۔ عربی اتحاد کے بھی حامی تھے اور اسلامی اتحاد بھی ان کا مشن تھا۔ قومی یا عربی اتحاد اس معنی میں ان کے پیش نظر نہ تھا جو وطن پرست یا قوم پرست مراد لے رہے تھے، بلکہ وہ صرف اسلام کے عروج وفروغ کے لیے اس وحدت یا اتحاد کے علم بردار تھے۔ حسن البنا نے مذکورہ بالا اجلاس میں یہ واضح کر دیا

کہ: 'اسلام جغرافی حد بندیوں اور خونی اور نسلی تفریقوں کا قائل نہیں ۔ وہ تمام مسلمانوں کو ایک امت مانتا ہے اور تمام اسلامی ملکوں کو ایک وطن شمار کرتا ہے خواہ جغرافی طور پر وہ ایک دوسرے سے کتنے ہی دور ہوں اور ان کے درمیان کتنا ہی فاصلہ ہو۔ اسلامی وطن ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ اس کے کسی ایک حصہ پر بھی ظلم اس کے کل پر ظلم متصور ہوگا۔ اس لیے الاخوان المسلمون اسلامی اتحاد کو بہت مقدس اورواجب الاحترام مانتے ہیں۔' خلافت کے بارے میں انہوں نے الاخوان کا موقف یہ بیان کیا کہ 'الاخوان المسلمون خلافت کو اتحاد اسلامی کی اصل اور مختلف مسلمان قوموں کے درمیان ربط و تعلق کا مظہر سمجھتے ہیں اور خلافت کے نظریے اور اس کے اعادہ کی کوشش کو اولین اہمیت دیتے ہیں۔'

یورپی حکومتوں سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ:

"'الاخوان المسلمون ہر اس حکومت کو ظالم شمار کرتے ہیں جس نے اسلامی ملکوں پر ظلم کیا ہو یا کر رہی ہو۔ ان دست درازیوں کو بزور روکنے کی ضرورت ہے۔'"

اسی بنا پر الاخوان نے فلسطین کی آزادی، الجزائر کی آزادی اور ان تمام اسلامی ممالک کی آزادی کے لیے آواز بلند کی جن پر استعمار کا منحوس سایہ چھایا ہوا تھا۔ اور اس غرض کے لیے مسلمان اقوام کو جہاد پر اکسایا۔

الاخوان المسلمون کے یہ نظریات انگریز کے لیے ناقابل برداشت تھے۔ حسین سری پاشا پر انگریزی سفارت خانے اور انگریزی فوج کے کمانڈر نے دباؤ ڈالا۔ جس کے نتیجہ میں حسین سری کی حکومت نے پہلے تو اخوان کے آرگن ہفتہ وار التعارف اور الشعاع اور ماہنامہ المنار بند کر دیے۔ اس کے بعد انہیں کسی قسم کا لٹریچر چھاپنے سے منع کر دیا، الاخوان کا پریس سربمہر کر دیا، تحریک کے رہنماؤں کو مختلف مقامات میں منتشر کر دیا، امام حسن البنا کو قاہرہ سے قنا اور ان کے نائب احمد السکری کو دمیاط بھیج دیا۔ جب مصری پارلیمنٹ میں حکومت کے اس ناروا اقدام پر ہنگامہ برپا ہوا تو مجبوراً حکومت نے ان دونوں حضرات کو واپس آنے کی اجازت دے دی۔ لیکن پھر دوبارہ شدید تر حملہ کر دیا اور امام حسن البناؒ کو اور الاخوان کے جنرل سکرٹیری کو گرفتار کر لیا گیا۔

نحاس پاشا کی دورخی پالیسی

حسین سری پاشا کے بعد مصطفیٰ نحاس پاشا کی وزارت قائم ہوئی۔ مصطفیٰ نحاس پاشا نے اخوان کے بارے میں دورخی پالیسی برتی۔ امام حسن البنا نے اسماعیلیہ کے حلقہ سے پارلیمنٹ کے انتخاب میں حصہ لینا چاہا۔ لیکن نحاس پاشا نے صورتِ حال کی نزاکت کو دیکھ کر حسن البنا سے درخواست کی کہ وہ اس انتخاب سے دست کش ہوجائیں۔ امام بنا نے اسے منظور کرلیا، اور مصطفیٰ نحاس پاشا نے الاخوان سے مصالحت کی پالیسی اختیار کرلی۔ انہیں اجتماعات منعقد کرنے کی اجازت دے دی، اخبارات کو بحال کردیا، پریس کو آزاد کردیا۔ مگر یہ ایک عارضی چال تھی، تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ نحاس پاشا نے بھی جمہوریت پسندی کے دعووں کو بالائے طاق رکھ کر الاخوان کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ اخوان کے مرکزی دفتر کے ماسوا ان کی تمام شاخیں اور شعبے بند کردیئے۔ اجتماعات، نشر و اشاعت اور ہر قسم کی سرگرمی پر پابندی عائد کردی۔ اخوان کے مؤرخ محمد شوقی زکی کے الفاظ میں:

> ”اخوان نے حکومت کے جبر و تشدد کا صبر و عزیمت سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ نحاس پاشا کی حکومت کو خود ہی تشدد سے دست بردار ہونا پڑا۔ اخوان اور نحاس حکومت کے تعلقات یکساں نہ رہتے۔ گاہ حکومت انہیں آزاد کردیتی، اور وہ سرگرم عمل ہوجاتے، اور گاہ ان کا ناطقہ بند کردیتی اور وہ صبر و رضا کو شعار بنالیتے۔“

بہرحال اخوان اس تمام مدوجزر کے باوجود ہر ذریعہ سے حکومت کو نصیحت و تلقین کا فرض ادا کرتے رہے۔ ۱۹۴۴ء میں نحاس وزارت برطرف کردی گئی۔

اخوان کی انتخاب میں شرکت

نحاس کے بعد احمد ماہر آیا۔ اپنے پیش رو کی طرح اس نے بھی تشدد کو شیوہ بنایا۔ اخوان ۱۹۴۱ء کے اجلاس میں یہ طے کرچکے تھے کہ:

> ”اخوان انتخاب میں حصہ لیں گے اور اسلامی نظریہ کی برتری کے لیے جماعت کے

اہل تر افراد کو کھڑا کریں گے۔"

نحاس پاشا کے دورِ وزارت میں حسن البنّا نے انتخاب میں حصہ لینا چاہا مگر نحاس پاشا کی دورخی پالیسی حائل ہوئی، اور امام بنا نے بھی مصلحتاً انتخاب سے دست کشی کر لی۔ احمد ماہر کے دور میں اخوان نے ہر قیمت پر انتخاب میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ مگر یہ احمد ماہر کی حکومت کے لیے یہ گوارا تھا اور نہ انگریزی فوج کی کمان اس پر رضا مند تھی۔

حسن البنّا اسماعیلیہ کے حلقہ سے امیدوار کھڑے کیے گئے۔ عوام الناس نے مصری انتخاب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اپنی جیب سے امیدوار کے لیے کام کیا۔ شہر میں انتخابی پروپیگنڈے کے ۶۰ مراکز قائم کیے گئے، دیواروں کے پوسٹر، عوام کے نعرے، اسکولوں کے طلبہ، غرض ہر چیز 'زعيم النهضة الاسلامية' (اسلام کے احیا کے علم بردار) حسن البنا کے حق میں ووٹ دینے کا اعلان کر رہی تھی۔ حسن البنا کی کام یابی شک وشبہ سے بالا تھی۔ مگر مصری حکومت نے انگریز کی خوشنودی اور دستور پارٹی کے نمائندوں کو کام یاب کرانے کے لیے حسن البنا کے خلاف ہر حربہ استعمال کیا۔ انگریزی فوج کی گاڑیاں کھلم کھلا مخالف امیدوار کے لیے کام کرتی رہیں۔

فوجی کیمپ کے مصری ملازمین کی کثیر تعداد کو فوجی کمان نے حلقۂ انتخاب سے باہر کے علاقوں میں تبدیل کر دیا۔ دھوکہ، دباؤ، دھاندلی اور تشدد کا ہر حربہ اختیار کیا گیا۔ بایں ہمہ حسن البنا کام یاب ہو گئے۔

آخر کار خود ساختہ عذرات کی بنا پر انتخاب کو کالعدم قرار دیا گیا اور دوبارہ انتخاب کرایا گیا۔ اس مرتبہ فوج نے اپنی تگ ودو میں اضافہ کر دیا۔ سینا کے انگریز گورنر ہمرسلی پاشا نے حسن البنا کے کارکنوں کو سینا اور عریش کے حلقوں سے نکال دیا، اور دوسرے کیمپوں سے مزدوروں کو لا کر جعلی ووٹ اس مقدار میں بھگتا دیئے گئے کہ حسن البنّا کی کام یابی کو 'شکست' میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہ تو حسن البنا کے ساتھ ہوا۔ اخوان کے دوسرے امیدواروں کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔ اور کسی امیدوار کو کام یابی کا چہرہ نہیں دیکھنے دیا گیا۔

نقراشی پاشا کی پہلی وزارت کا دور

احمد ماہر پاشا نے اتحادی طاقتوں سے مل کر جرمنی اور اٹلی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔اخوان نے اس فیصلے کی سخت مخالفت کی اور احمد ماہر سے تحریراًاس فیصلے کی تنسیخ کا مطالبہ کیا۔مصری عوام نے بھی اس اعلان پر سخت غیظ وغضب کا اظہار کیا۔ملک کی فضا یکا یک مکدر ہوگئی۔احمد ماہر ایک شخص عیسوی کے ہاتھوں گولی کا نشانہ بن گیا۔محمود فہمی نقراشی پاشا وزیراعظم مقرر ہوا۔حسن البنّا اور اخوان کے جنرل سیکرٹری اور بعض دوسرے رہنما احمد ماہر کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیے گئے۔اس الزام کا ثبوت اس کے سوا کوئی نہ تھا کہ عیسوی نے تحقیقات کے دوران یہ بیان دیا کہ'احمد ماہر کو اعلان جنگ کرنے سے پہلے ملک کے زعما سے مشورہ طلب کرنا چاہیے تھا۔' ان زعما میں عیسوی نے حسن البنّا کا نام بھی لیا تھا۔اخوان نے گرفتاریوں کو عدالت میں چیلنج کیا۔عدالت نے رہائی کے احکام جاری کر دیئے۔حسن البنّا نے رہا ہوتے ہی نقراشی پاشا سے ملاقات کی اور احمد ماہر کے قتل پر اظہار افسوس کیا۔نقراشی پاشا سے انہوں نے آزادیِ عمل کی درخواست بھی کی جو اس نے ٹھکرا دی۔عالم گیر جنگ کے خاتمہ تک (۱۹۴۵ء) نقراشی پاشا کا رویہ اخوان کے بارے میں ملا جلا رہا۔تشدد کا استعمال بھی ہوتا رہا اور تساہل سے بھی کام لیا جاتا۔آج اگر اجتماع کی اجازت دی جاتی تو کل قرضہ مع سود وصول کر لیا جاتا۔بہر حال اسی کشاکش میں جنگ عظیم کے خاتمہ کا اعلان ہو گیا اور حالات نے نیا رخ اختیار کر لیا۔

تیسرا مرحلہ ۱۹۴۵ء تا ۱۹۴۸ء

تحریک کا عروج اور انجام

یہ مرحلہ اخوان کی تحریک کا سب سے زیادہ قابل لحاظ مرحلہ ہے۔ اس زمانے میں یہ تحریک پورے عروج کو پہنچی اور پھر ایسے 'انجام' سے دوچار ہوئی جو دنیا کی تمام اسلامی تحریکوں کے لیے انتہائی قابلِ غور ہے۔ پہلے ہم اس دور کے ان کاموں کا مختصر جائزہ لیتے ہیں جو اخوان نے مختلف پہلوؤں سے سرانجام دیئے۔

۸ ستمبر ۱۹۴۵ء کو اخوان کی جنرل کونسل کا اجلاس ہوا جس میں اخوان کے تمام ارکان نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں اخوان کے 'نظام اساسی' (دستور) میں متعدد ترمیمیں کی گئیں اور نظام اساسی کو مقصد اور طریقِ کار کے لحاظ سے جامع اور مکمل صورت دی گئی۔ یہ ترمیمیں بیشتر امام حسن البنا کی اس تقریر سے ہم آہنگ ہیں جو انہوں نے ۱۹۳۸ء میں پانچویں اجلاس میں کی تھی۔ تقسیم کار کا نظام وضع کیا گیا۔ بیعت (حلف نامہ) کی صورت میں اپنے امراء اور مرشد عام کی اطاعت کا عہد تازہ کیا گیا، معروف میں سمع واطاعت کو ہر حال میں لازم قرار دیا گیا۔ حسن البنا پر کلی اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ انہیں تاحیات مرشد عام منتخب کیا گیا اور عزل اور تغیّر کا حق صرف مجلس اساسی کو دیا گیا۔

داخلی استحکام اور منصوبہ بندی نے تحریک کے اثرات کو مزید پھیلا دیا۔ چند ہی سالوں میں یہ تحریک روحانی، مادی اور عسکری تربیت کے اعتبار سے نفوذ وقوت کی چوٹیوں کو چھونے

لگی۔ٹائمز آف لندن کی اطلاع کے مطابق صرف طبقہ عمّال میں اخوان کی تحریک کے ارکان کی تعداد تین لاکھ اور ۶ لاکھ کے درمیان تھی۔حسن البنّا کے بیان کے مطابق- جسے ٹائمز ہی نے نقل کیا ہے۔وہ ۵ لاکھ اخوان کے نمائندہ ہیں اور یہ ۵ لاکھ ۷ کروڑ عربوں اور ۳۰ کروڑ دنیا کے مسلمانوں کے نظریات اور امنگوں کے ترجمان ہیں۔اخوان کے نائب مرشد عام کی یادداشت کے مطابق جو کونسل آف سٹیٹ کو پیش کی گئی تھی ۱۹۴۸ء میں اخوان کے کارکن ممبروں کی تعداد صرف مصر میں ۵ لاکھ تھی اور ہم دردوں اور مددگاروں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ۔صرف مصر میں ان کی شاخیں ۲ ہزار کے قریب تھیں۔

مصر سے باہر بھی اخوان کی شاخیں قائم ہوئیں۔شام میں تو ۱۹۳۷ء میں مصطفیٰ سباعی مرحوم کی قیادت میں اخوان کی شاخ قائم ہوچکی تھی۔باقی ملکوں میں زیر نظر مرحلے میں شاخیں وجود میں آئیں۔۱۹۴۶ء میں فلسطین میں،اسی کے لگ بھگ زمانے میں اردن میں،اسی سال سوڈان میں اخوان کی کانفرنس ہوئی جس میں لبنان،اردن اور فلسطین کے نمائندے شامل ہوئے۔اکتوبر ۱۹۴۶ء میں حسن البنّا کی قیادت میں حج کے موقعہ پر بھی ایک وفد حجاز گیا اور دنیا کے نمایاں حجاج سے اور اسلامی رہنماؤں سے ملا۔۱۹۴۷ء میں عراق میں بھی اس دعوت کا پودا لگا دیا گیا جو مختلف ناموں سے بار آور ہوتا رہا اور جس کے روح رواں شیخ محمد محمود الصواف تھے۔ مغربی ممالک کی کانفرنسوں اور بین الاقوامی اجتماعات میں بھی اخوان کے وفود شریک ہوئے۔

روزنامہ کا اجرا

۵ رمئی ۱۹۴۶ء کو اخوان نے 'الاخوان المسلمون' کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا۔یہ پہلا موقع تھا کہ اسلامی نظام کا بے باک اور جری نقیب روزانہ صحافت کے میدان میں اترا۔ورنہ بیس سال سے مصری صحافت پر 'جاہلیت' کا غلبہ تھا۔یہ اخبار نہ صرف مصر میں پھیلا بلکہ دوسرے عرب ملکوں کے اندر بھی اس کے عشاق چشم براہ رہنے لگے۔اس نے بڑی بے خوفی کے ساتھ انگریزی استعمار کی 'اسرار کشائی' کی اور استعماری حلقوں میں تہلکہ برپا کردیا۔

تجارتی کمپنیوں کا نظام

اخوان نے اقتصادی کمپنیوں کے نظام کو بھی جگہ جگہ پھیلا دیا اور ان سے غیر معمولی منافع حاصل ہونے لگا۔ محنت کش طبقے میں ان کی مقبولیت بڑھ گئی۔ عسکری تربیت اور تنظیم کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا گیا اور متعدد عسکری دستے تشکیل دیئے گئے۔ ثقافتی اور علمی زاویہ بھی اس دور میں خاصا شرمندۂ رونق ہوا۔

انگریز سے مڈبھیڑ کا آغاز

ایک طرف جماعت قوت ونفوذ کی اس معراج کو پہنچ چکی تھی جس کا ہم نے اوپر سرسری جائزہ لیا ہے۔ دوسری طرف جماعت سیاسی میدان میں مردانہ وار اتر آئی۔ جنگ عظیم کے ختم ہوتے ہی اخوان نے یہ مطالبہ اٹھا دیا کہ انگریز اپنا وہ وعدہ پورا کرے جو اس نے دوران جنگ مصری قوم سے کیا تھا، یعنی آزادی دینے کا وعدہ۔ حسن البنّا محمود فہمی نقراشی پاشا سے ملے اور اس سے اپیل کی کہ یا تو حکومت قومی حقوق کی بحالی اور وادیِ نیل کے استقلال واتحاد کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے کمر بستہ ہو جائے ورنہ قوم کو چھوڑ دے کہ وہ خود جہاد کے ذریعہ سے اپنی آرزوؤں کی تکمیل کر لے۔ مصری قوم اس وقت نازک موڑ پر تھی۔ اس کی نظر میں انگریزی سامراج سے گلوخلاصی کرانے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی موقع نہ تھا۔ حسن البنّا قوم کے نباض تھے۔ انہوں نے مطالبۂ آزادی کو پوری قوت سے اٹھایا اور تحریک آزادی کی قیادت کی۔ نقراشی پاشا نے گھبرا کر حکومت برطانیہ کو ایک یادداشت بھیجی اور حکومت برطانیہ نے مطالبۂ آزادی پر صراحتاً صاد کرنے کے بجائے اس کا ڈپلومیٹک جواب بھیج دیا۔ اخوان کو یہ ''قلمی مناظرہ'' راضی نہ کر سکا۔ اخوان کی تحریک پر عوام اور طلبہ نے انگریز کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا اور وہ خونیں واقعات پیش آئے جو مصر کی تاریخ میں ''حادثہ جسر عباس'' کے عنوان سے مشہور ہیں۔ اس مظاہرے اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج کی وجہ سے نقراشی پاشا کی وزارت کو مستعفی ہونا پڑا اور اسماعیل صدقی پاشا نے وزارت سنبھال لی۔ اخوان نے انگریزوں کے انخلا کے مطالبہ

کو جاری رکھا۔ جلسہ ہائے عام ہوئے۔ اخوان کے اخبارات نے ان شعلوں کو مزید ہوا دی اور ہر طرف سے انگریزوں کے خلاف جہاد کے اعلان کا نعرہ اٹھ کھڑا ہوا۔ صدقی اسماعیل پاشا آیا تو مظاہرات اور شدت اختیار کرتے گئے۔ اخوان کی تمام قوتیں حصول استقلال کی تحریک پر مرتکز ہو گئیں۔

حسن البنّا نے آل پارٹیز میٹنگ طلب کی تا کہ ایک 'نیشنل بورڈ' کی تشکیل کی جائے جو عوامی صفوں کو متحد و منظم کرے اور پوری قوم بہ یک آواز عروس آزادی سے ہم کنار ہونے کے لیے اٹھ کھڑی ہو۔ مگر افسوس ہے کہ ان سیاسی پارٹیوں نے سنی ان سنی کر دی۔ نہ سعد پارٹی کی 'وطنیت' میں جنبش پیدا ہوئی، نہ سعد زغلول کا نعرہ 'الوطن للجمیع' کام آیا اور نہ وفد پارٹی کے 'جمہوریت پسندی' کے دعوے جمہور کی خدمت کے لیے بڑھے۔

حسن البنّا سیاسی محاذ کی سرد مہری دیکھ کر خود ہی آگے بڑھے اور صدقی پاشا کو نصیحت کی کہ وہ حکومت برطانیہ سے گفت و شنید ترک کر کے صاف صاف جہاد کا راستہ اختیار کرے۔ اخوان نے حکومت کو منقار زیر پر دیکھ کر اسے شدید ملامت و تنقید کا ہدف بنایا، اور اس پر وطن سے غداری اور سامراج سے دوستی کا الزام لگایا۔ اخوان کے اخبارات نے کھل کر لکھا کہ حکومت استعماری کمپنیوں سے تساہل برت رہی ہے، بے روزگاری کا مسئلہ حل کرنے سے عاجز ہے اور انگریزوں کے دباؤ کی وجہ سے جہاد سے جی چرا رہی ہے۔ اخبارات نے 'مصری انگریزی گفت وشنید' کی بھی دھجیاں بکھیریں، صدقی پاشا پر بھی حملے کیے اور انگریزی استعمار پر وہ تند و تیز مقالے اور مضامین لکھے کہ عوام کے جذبات شعلہ جوالہ بن کر بھڑک اٹھے۔ اسی دوران اخوان نے شاہ فاروق کو ایک میمورنڈم پیش کیا۔ اس میں واضح کیا کہ صدقی پاشا کی وزارت قومی تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ اخوان کے مرکزی دفتر نے تمام شاخوں کو انگریز کا اقتصادی، ثقافتی اور معاشرتی مقاطعہ کرنے کے احکام جاری کر دیئے۔

صدقی پاشا کا تشدد

صدقی پاشا نے بوکھلا کر اخوان پر وار کر دیا۔ متعدد افراد گرفتار کر لیے۔ روزنامہ

'الاخوان المسلمون' بند کر دیا، نائب مرشد عام کو بھی گرفتار کر لیا۔ (مرشد عام حسن البنّا اس وقت وفد لے کر حج پر گئے ہوئے تھے) اس تشدد کا جواب اخوان کی طرف سے ملک گیر احتجاج و مذمت کی شکل میں دیا گیا۔ قاہرہ اور اسکندریہ میں تصادم کے حادثات رونما ہوئے۔ اسے بہانہ بنا کر اخوان کے گھروں کا محاصرہ کر لیا گیا اور بڑی بے دردی کے ساتھ ان کی تلاشی لی گئی اور ان کی خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ خوف و ہراس میں مزید اضافہ ہوا۔ سرکاری اداروں میں اخوان کے جو لوگ ملازمت کرتے تھے ان میں سے کچھ کو برطرف کر دیا گیا اور کثیر تعداد کو دور دراز مقامات میں پھینک دیا گیا۔ پورے مصر میں اس پر کہرام مچا اور صدقی پاشا کو حکومت سے مستعفی ہونا پڑا۔

نقراشی پاشا کا دوسرا دورِ وزارت

۱۰ر دسمبر ۱۹۴۶ء کو دوبارہ نقراشی پاشا کو وزارت عظمیٰ سونپی گئی۔ حالات کا 'تقاضا' تھا کہ اب کسی 'دھنی' کو اس معرکے کی زمام دی جائے۔ سعد پارٹی کے سربراہ محمود فہمی نقراشی پاشا آزمودہ تھے، بروقت کام آ گئے۔

جس تاریخ کو نقراشی پاشا نے یہ 'عظیم' ذمہ داری سنبھالی اسی روز امام حسن البنّا کا ایک مضمون اخبارات میں شائع ہوا۔ خلاصہ یہ تھا کہ: نئی حکومت کو مختصر راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ وہ قوم کے ارادوں کا احترام کرے، انگریز سے گفت و شنید کا ڈرامہ ختم کرے اور جہاد سے ملک کی آزادی کے مسئلے کو حل کرے۔ حسن البنا نے طویل سلسلہ مضامین کے ذریعہ حکومت کی غلط پالیسیوں کی نشان دہی کی۔ ملک کے مخلص ترین شہریوں پر تشدد کرنا، ان کے مدارس پر تالے چڑھا دینا، انہیں جیلوں میں بند کر دینا، طرح طرح سے ان کے درپے آزاد ہو جانا، اور وہ بھی ایسے موقع پر جب ملک پر زبردستی مسلط ہونے والے دشمن کی کچلیاں تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہوں۔ حماقت نہیں تو اور کیا ہے! مگر اس تنقید سے نقراشی پاشا نے عقل کے ناخن لینے کے بجائے اسے اخوان کے ساتھ 'ذاتی جنگ' میں بدل دیا۔ اس 'جنگ' میں فلسطین کی مہم نے مزید تلخی پیدا کی۔ اخوان اس مہم میں پیش پیش تھے۔ ایک طرف یہ مسئلہ ان کے نفوذ و اثر کی کسوٹی بن چکا تھا اور دوسری طرف مصر اور بیرون مصر میں ان کی محبوبیت اور سرخروئی کا موجب بن گیا تھا۔ ۱۲ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو

اخوان نے زبردست احتجاج جلوس نکالا۔ یہ جلوس ازہر سے نکلا۔اس کی قیادت خود امام حسن البنا نے کی۔وہ موٹر میں سوار تھے اور لاؤڈ سپیکر سے ہدایات جاری کررہے تھے۔۶رمئی ۱۹۴۸ءکو الاخوان کی فاؤنڈیشن کونسل کا اجلاس ہوا۔اس میں حکومت مصر اور تمام عرب حکومتوں سے مطالبہ کیا گیا کہ اسرائیل کے خلاف اعلان جہاد کیا جائے اور فلسطین کو بچانے کے لیے تمام ممکن تدابیر اختیار کی جائیں۔

جبر وتشدد کی انتہا

۱۵رمئی ۱۹۴۸ءکو عرب لیگ کے زیر اہتمام فلسطین میں عرب فوجیں اتر گئیں اور یہودیوں کے خلاف معرکۂ کارزار گرم ہوگیا۔اخوان کے رضا کاروں نے اس جنگ میں جواں مردی اور شجاعت اور فداکاری کے جو کارہائے نمایاں دکھائے ان کی تفصیل الگ روداد کی محتاج ہے۔امریکہ اور برطانیہ کا یہودی پریس ان کارناموں سے چیخ اٹھا اور اسے 'اسرائیل' کا 'نیشنل ہوم' خاک میں ملتا ہوا نظر آنے لگا۔

اس صورت حال سے نقراشی پاشا کے اوسان خطا ہوگئے۔فاروق الگ ان ''ملاؤں'' کے بڑھتے ہوئے اثرات سے پیچ وتاب کھا رہا تھا۔چند غیر ملکی سفارت خانوں نے فاید (برطانوی فوج کے مصری مستقر) میں کانفرنس کی اور بالاتفاق نقراشی پاشا سے ''الاخوان'' کو خلاف قانون قرار دیئے جانے کا مطالبہ کیا۔نقراشی پاشا خود پریشان تھا۔اس نے اپنے آقاؤں کی خوشنودیِ مزاج کی خاطر ۸ردسمبر ۱۹۴۸ءکو مارشل لا آرڈی ننس نمبر ۶۳ کے ذریعہ الاخوان کو خلاف قانون قرار دے دیا۔

یہ اس کی زندگی کی بہت بڑی حماقت تھی، پھر تو وہ افراتفری برپا ہوئی کہ توبہ ہی بھلی! پورے مصر میں ظلم کا بازار گرم ہوگیا۔جماعت کے تمام مراکز اور ادارے ضبط کرلیے گئے۔ ہزارہا پڑھے لکھے نوجوان جیلوں میں بند کردیئے گئے اور ان پر طرح طرح کے مظالم توڑے گئے جنہیں سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔خود نقراشی پاشا بھی ایک نوجوان کے ہاتھوں قتل ہوا۔اس کے بعد ابراہیم عبدالہادی پاشا وزارت عظمیٰ کی گدی پر بیٹھا۔اس نے رہی

سہی کسر پوری کردی۔ دین کے علم برداروں کے ساتھ وہ سب کچھ کیا جو شاید ایک غیر مسلم بھی مشکل سے کرسکتا۔

حسن البناؒ کی پیشین گوئی

امام حسن البنا کو قدرت نے مومنانہ بصیرت سے نواز رکھا تھا۔ وہ ایک داعی تھے۔ دعوت کی ہر منزل سے آگاہ تھے۔ اس راستے کی دشواریاں ان پر عیاں تھیں۔ ''حفت الجنة بالمکارہ۔'' (جنت کا راستہ مصائب میں سے گزرتا ہے) کی نبوی تعبیر پر ان کی نگاہ تھی۔ انہوں نے اپنے ایک مضمون میں جو دوسری جنگ عظیم سے بہت پہلے جب کہ آزمائش کے دور دور بھی آثار نہ تھے رقم فرمایا تھا:

> ''میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری دعوت سے ابھی اکثر لوگ بے خبر ہیں۔ جب یہ دعوت اور اس کے اغراض و مقاصد ان پر کھلیں گے تو وہ تمہارے درپے آزار ہوں گے۔ وہ تم سے شدید عداوت پر آتر آئیں گے۔ اس وقت تمہارا بڑی تکلیفوں سے سامنا ہوگا۔ طرح طرح کی رکاوٹیں تمہارے راستے میں حائل ہوں گی۔ اس وقت تم صحیح معنوں میں دعوت کے علم برداروں کی صف میں شمار ہوگے۔ عوام کی حقیقت اسلام سے جہالت تمہارے راستے کا روڑا بنے گی، درباری علماء ومشائخ تمہارے ''اسلام'' پر انگلی رکھیں گے اور تمہارے جہاد پر نکیر کریں گے، زعما اور ارباب جاہ واقتدار تم سے جلیں گے، تمام حکومتیں، بلا استثنا تمہارا ''سدباب'' کریں گی، تمہاری سرگرمیوں پر پابندی عاید کریں گی، لٹیرے ہر حربے سے تمہاری مخالفت کریں گے، تمہاری دعوت کے چراغ کو بجھائیں گے، کمزور حکومتیں اور بودے اخلاق تمہارے خلاف ان لٹیروں کی مدد کریں گے اور وہ ہاتھ ان کی پشت پناہی کریں گے جو تمہاری طرف تو ظلم وزیادتی کے لیے بڑھتے ہیں مگر ان کے سامنے کاسۂ گدائی لے کر اٹھتے ہیں۔ ایک اور جماعت تمہارے خلاف شکوک وشبہات اور افترا پردازیوں کا طوفان برپا کرے گی اور ہر عیب تمہارے اندر نکالے گی اور عوام کے سامنے تمہاری خدمات

کو مسخ کر کے پیش کرے گی۔ اسے اپنی طاقت اور اقتدار کا گھمنڈ ہوگا، نفوذ و دولت
کے بل پر وہ دست درازی کرے گی۔ یہ بلاشبہ تمہارے امتحان و آزمائش کی گھڑی
ہوگی، تمہیں جیلوں میں ڈال دیا جائے گا، پابہ جولاں کیے جاؤ گے، گھر سے بے گھر
کیے جاؤ گے، وطن کی فضاؤں سے محرومی ہوگی، تمہارے ادارے ضبط ہوں گے۔
تمہارے گھروں کی تلاشی ہوگی، ـــــــ اور ہوسکتا ہے کہ امتحان کی یہ گھڑی
غیر معمولی طور پر لمبی ہوجائے! اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا
یُفْتَنُوْنَ۔ لیکن اللہ کا تم سے وعدہ ہے کہ وہ بالآخر مجاہدین کی مدد فرمائے گا اور
نیکوکاروں کو اجر سے نوازے گا۔"

مردِ حق آگاہ کی شہادت

'الاخوان المسلمون' خلاف قانون قرار دے دی گئی، اس کے ہزاروں کارکن گرفتار
کر لیے گئے، مگر اس کے قائد امام حسن البناؒ گرفتار نہیں کیے گئے۔ ظالموں نے ان کے خلاف کچھ
اور ہی منصوبے بنا رکھے تھے۔ انہیں مصر سے جانے سے حکماً روک دیا گیا) بلکہ خود ملک کے اندر
حکومت کی اجازت کے بغیر آمدورفت پر پابندی لگا دی گئی۔ انہوں نے ایک 'اخ' کے زرعی فارم
میں منتقل ہوجانے کی اجازت طلب کی تو اس 'اخ' کو بھی نظر بند کر دیا گیا ـــــــ پھر ۱۲ فروری
۱۹۴۹ء کی شام کو اس پیکر صدق وصفا کوہ عزم ووفا، مشعل بردار دین مبین اور داعی ایمان ویقین کو
شبان المسلمین کے مرکز کے سامنے سربازار شہید کر دیا گیا۔ اور انگریز کے ہاں گھی کے چراغ جل
گئے۔ الزام قتل کا مورد 'الوطن للجمیع' کی علم بردار سعد پارٹی کو ٹھیرایا گیا۔ مگر عینی شاہدوں نے
اس گاڑی کا نمبر (۹۹۷۹) بتایا جس پر حملہ آور سوار تھے اور گولی چلانے کے بعد اسی کے ذریعہ
فرار ہوئے تھے۔ بعد میں یہ بات کھل گئی کہ یہ گاڑی فوج داری جرائم کے شعبہ کے انچارج
لیفٹننٹ محمود عبدالمجید کی تھی۔ تین سال ان واضح شہادتوں کے باوجود اس پاکیزہ خون کے مجرم
ہاتھ نہ لگے۔ ۲۳ر جولائی ۱۹۵۲ء کو، فوجی انقلاب کے بعد اس سازش میں ۱۱ مجرم پکڑے گئے۔
ان میں محمود عبدالمجید بھی تھا جواب 'لیفٹننٹ' کے بجائے 'لیفٹننٹ کرنل' تھا۔ میجر محمد الجزار خفیہ

پولیس کی پولیٹیکل برانچ کا افسر بھی تھا جس نے گاڑی کے نمبر کی نشان دہی کرنے والے گواہ کو کہا تھا کہ 'بنا کا قاتل آزاد ہے اور آزاد رہے گا، جو شخص بھی اس سے تعرض کرے گا وہ اس کی گردن کو ناپ سکتا ہے۔تو صاحب اہل وعیال ہے، کیوں انہیں یتیم کرنے پر تلا ہوا ہے۔' شاہ فاروق کا خادم خاص محمد حسن اور سارا جنٹ میجر محمد محفوظ گاڑی کا ڈرائیور بھی ان میں شامل تھا۔

اس مرد حق کو شہید کرنے کے لیے جو ڈرامہ کھیلا گیا اس کا مختصر بیان بھی سن لیجیے:

۱۲ رفروری ۱۹۴۹ء کو جمعیت شبان المسلمین کی ایگزیکٹو کونسل کے ایک رکن استاذ ناغی نے جمعیت کی ینگ بوائز برانچ کے صدر استاذ محمد اللیثی کو حسن البنا کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ حسن البنّا مجھے آج شام جمعیت کے دفتر میں ملیں تاکہ الاخوان المسلمون کے بارے میں حکومت کے نئے فیصلوں سے، جو نہایت اہم اور مسرت افزا ہیں، انہیں مطلع کیا جا سکے۔ پیغام میں یہ بھی تھا کہ میرے رشتہ دار ابراہیم عبدالہادی پاشا (وزیر اعظم) نے میری یہ ڈیوٹی لگائی ہے کہ میں حسن البنّا کو ان فیصلوں سے مطلع کر دوں۔ چنانچہ استاد محمد اللیثی امام حسن البنا کے گھر گئے اور ان کے سامنے پیغام کی تفصیلات رکھیں۔لیکن مرد مومن کی نگاہ اس دل فریب پیغام سے کسی دھوکے اور مغالطے میں مبتلا نہ ہوئی بلکہ فوراً اس کی گہرائیوں تک پہنچ گئی۔ حسن البنّا نے پیغام سننے کے بعد کہا:

> ''ان لوگوں کی نیتیں خراب ہیں، یہ میرے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت نہیں چاہتے بلکہ مجھے ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ جس شخص کے زرعی فارم میں میں جا کر ٹھیرنا چاہتا تھا اسے بھی گرفتار کرلیا گیا ہے، اور اس کے بڑھاپے کا بھی کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔لیکن بہر حال استاذ ناغی کی دل جوئی کی خاطر میں حاضر ہو جاؤں گا۔''

امام حسن البنّا وقت مقررہ پر جمعیت شبان المسلمین کے دفتر میں پہنچ گئے۔استاذ ناغی سے گفتگو ہوتی رہی جو حسن البنّا کے الفاظ میں 'قابل ذکر نتیجہ تک نہ پہنچ سکی۔' حسن البنّا نے گفتگو سے فارغ ہو کر ٹیکسی منگوائی۔اس ملاقات میں ان کے ساتھ ان کے داماد عبدالکریم منصور ایڈووکیٹ بھی تھے (جو آج کل سعودی عرب میں پناہ گزین ہیں)۔

استاد محمد اللیثی حسن البنّا کو ٹیکسی تک رخصت کرنے کے لیے نکلے۔ پیچھے سے خادم نے

استاد محمد اللیثی کو آواز دی کہ ٹیلیفون پر کوئی صاحب انہیں طلب کر رہے ہیں۔ لیکن استاد محمد اللیثی حسن البنّا کو اور ان کے رفیق کو ٹیکسی میں سوار کر کے ہی واپس آئے اور ابھی ٹیلیفون تک نہ پہنچ پائے تھے کہ باہر سے فائرنگ کی آواز آئی۔ ٹیلیفون سنے بغیر فوراً باہر نکلے تا کہ آواز کا ماخذ معلوم کر سکیں۔ دفتر کے سامنے، سڑک پر ایک نوجوان کو کھڑے دیکھا جس کا قد لمبا اور جسم دبلا تھا اور اس نے جلباب (لمبا کوٹ) اور کوفیہ (سفید رومال جو سر پر باندھتے ہیں) اوڑھ رکھا تھا اور ہاتھ میں پستول تھامے ہوئے تھا۔ استاذ محمد اللیثی نے اسے پکڑنے کے لیے شور مچایا۔ مگر اس نوجوان نے استاذ لیثی پر بھی گولی چلائی جو اتفاق سے خطا ہو گئی۔ لیثی اس کے پیچھے دوڑے اس نے پھر دو مرتبہ لیثی پر فائر کیا اور دونوں مرتبہ لیثی بال بال بچتے رہے۔ اتنے میں وہ نوجوان سڑک کی دوسری جانب نکل گیا۔ اس کے انتظار میں ایک اور شخص کھڑا تھا۔ یہ دونوں سیاہ رنگ کی موٹر پر سوار ہو کر فرار ہو گئے۔ امام حسن البنا کو جب گولی لگی تو موصوف فوراً ٹیکسی سے اترے اور جمعیت الشبان المسلمین کے دفتر میں یہ کہتے ہوئے داخل ہو گئے کہ 'مجھے قتل کر دیا گیا ہے، مجھے قتل کر دیا گیا ہے، مجھے قتل کر دیا گیا ہے۔' اسی اثنا میں لیثی بھی آ گئے۔ ٹیلیفون ابھی ان کے انتظار میں تھا۔ میجر محمد الجزار خفیہ پولیس کی پولیٹکل برانچ کے افسران سے ہم کلام تھے۔ لیثی نے ٹیلیفون اٹھاتے ہی انہیں اطلاع دی کہ حسن البنا پر ابھی ابھی جمعیت کے دفتر کے سامنے قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔ اس پر محمد الجزار نے دریافت کیا کہ 'کیا وہ مر گئے ہیں یا ابھی زندہ ہیں؟' اسی دوران میں حسن البنا ہسپتال روانہ ہو چکے تھے۔ بعد میں لیثی بھی ان کے پاس ہسپتال میں پہنچ گئے۔ حسن البنّا بستر پر تھے اور ان کی زبان پر کلمۂ شہادت جاری تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہسپتال میں ایک نوجوان داخل ہوا۔ اس نے بتایا کہ 'حملہ آوروں کی موٹر جس جگہ کھڑی تھی میں اس کے قریب ہی ایک جگہ پر کھڑا تھا۔ اس موٹر کا نمبر ۹۹۷۹ ہے۔' یہی وہ نوجوان ہے جسے بعد میں اس کے بچوں کے یتیم ہو جانے کی دھمکی دی گئی تھی۔

حسن البنا شہادت پا گئے۔ شہر میں خوف و ہراس کی فضا طاری تھی۔ مگر جذبۂ انتقام اب بھی فرد نہیں ہوا تھا۔ ہسپتال کا محاصرہ کر لیا گیا۔ نہتے شہید کے بوڑھے باپ شیخ ابوعبدالرحمان احمد البنا نے تن تنہا نماز جنازہ ادا کی۔ میت کو ان کے گھر کی مستورات نے آخری آرام گاہ تک

پہنچایا۔ کسی اللہ کے بندے کو تعزیت کی اجازت نہیں تھی۔

امام حسن البنا کی شہادت کے بعد ہنگامہ ہائے دار و گیر اور غلغلہ ہائے رستا خیز سے وادی نیل تھرا اٹھی۔ اخوان کا جگہ جگہ تعاقب کیا گیا، طویل عدالتی کارروائیوں کے ڈرامے کھیلے گئے اور یہ لوگ ''باغی'' ٹھیرائے گئے۔ ظاہر بین نگاہوں نے سمجھ لیا کہ اب اس جنون کی کھیتی ہری نہ ہوگی لیکن یہ آزمائش ان کے لیے ایک ''بھٹی'' بن کر آئی۔ کیا ہوا اگر معدودے چند افراد اس کی تاب نہ لا سکے مگر اکثریت کندن بن کر نکلی اور اس کے ایمان و تسلیم میں مزید اضافہ ہو گیا۔

چوتھا مرحلہ ۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۴ء

نیا مرشد اور نئے ولولے

حالات نے پھر پلٹا کھایا۔ سات ماہ بعد ۲۵؍جولائی ۱۹۴۹ء کو ابراہیم عبدالہادی پاشا کو گدی سے اترنے پر مجبور کر دیا گیا۔ حسین سری پاشا نے مخلوط وزارت بنائی، جس کا کام انتخابات کی نگرانی تھی، اخوان کو قدرے اطمینان کا سانس نصیب ہوا۔ انتخابات میں وفد پارٹی غالب اکثریت سے کام یاب ہوئی۔ اس کام یابی میں اخوان کی تائید کو بھی دخل تھا۔ ۱۲؍فروری ۱۹۵۰ء کو نحاس پاشا نے زمام حکومت ہاتھ میں لی، اخوان کو جزوی طور پر آزادی نصیب ہوئی۔ جن کے بارے میں سمجھ لیا گیا تھا کہ اب ان کی داستان باقی نہ رہے گی وہ دامن جھاڑ کر پھر اٹھ کھڑے ہوئے، ان کے قلم حرکت میں آ گئے اور ان کے اخبارات از سرِ نو جلوہ بار ہو گئے۔ حسن بن اسمٰعیل الہضیبی ان کے نئے مرشد عام منتخب ہوئے اس سے پہلے وہ سپریم کورٹ میں لیگل ایڈوائزر تھے۔ اخوان المسلمون اپنے نئے مرشد کی قیادت میں اپنے مختلف شعبوں کی جدید تنظیم اور استحکام میں لگ گئے۔ ۱۵؍دسمبر ۱۹۵۰ء کو حکومت نے اخوان کی بعض املاک کو بحال کر دیا۔ یہ فیصلہ کونسل آف سٹیٹ کے ایک حکم کی بنا پر ہوا جس میں کونسل آف سٹیٹ نے کہا۔ 'الاخوان لمسلمون کو خلاف قانون قرار دینے کا فیصلہ سراسر غلط تھا۔ یہ فیصلہ مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے اختیارات میں نہ تھا۔' اخوان نے پلک جھپکتے اپنے حالات کو درست کر لیا، اور پھر تاریخ کے اسٹیج پر آ بیٹھے اور قابل لحاظ قوت بن گئے۔

محلّاتی سازشوں کا آغاز

اکتوبر ۵۱ء تک مصطفیٰ نحاس پاشا کی حکومت رہی۔ پھر نحاس پاشا کی برطرفی کے بعد قصر عابدین اور انگریز کی ملی بھگت نے 'محلاتی سازشوں' کو جنم دیا اور ۹ ماہ کے اندر چار مرتبہ وزارتیں تبدیل ہوئیں۔ عوام انگریز کے غیر مشروط انخلا کا مطالبہ کر رہے تھے۔ یہ مطالبہ روز بروز شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ برطانوی فوج غیر مشروط تو کیا مشروط طور پر بھی نکلنے کو تیار نہ تھی۔ قصر عوام اور برطانوی فوج کے درمیان دیوار بنا ہوا تھا۔ جو وزارت قائم ہوتی وہ عوامی مطالبے کے سامنے جھکتی تو قصر اسے برطانوی ٹینکوں کے بل بوتے پر الٹ دیتا اور اگر قصر کی خواہش پوری کرتی تو عوامی مظاہرے اور اضطرابات اس کے لیے پیغام اجل بن جاتے۔ اسی ادھیڑ بن میں ۲۳ تا ۲۶ مئی ۵۲ء کو ملک کے اندر فوج نے انقلاب برپا کر دیا اور ملک کی تاریخ کا رخ بدل دیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

معاہدۂ برطانیہ کی تنسیخ کا اعلان

اکتوبر ۱۹۵۱ء تک مصطفیٰ نحاس پاشا کی حکومت قائم رہی۔ نحاس پاشا کے اس دورِ وزارت کا زریں کارنامہ یہ ہے کہ اس نے عوامی مطالبہ کی تائید میں پارلیمنٹ کے ذریعہ اس معاہدے کی تنسیخ کا اعلان کر دیا جو ۱۹۳۶ء میں مصر اور برطانیہ کے درمیان طے پایا تھا۔ جس کی بنا پر مصر برطانیہ کی فوجی چھاؤنی بنا ہوا تھا، اور سویز پر برطانیہ اور فرانس نے مشترکہ اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔ نحاس پاشا نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا: '۱۹۳۶ء میں خود مصر نے برطانیہ سے یہ معاہدہ کیا تھا اور آج مصر ہی اس کی تنسیخ کا اعلان کرتا ہے۔' اس اعلان نے عوام کے مردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ مگر قصر اور برطانوی فوج کے اندر سراسیمگی پھیل گئی۔

معرکۂ آزادی میں اخوان کا حصہ

نحاس پاشا نے برطانوی قیادت سے گفت وشنید کرنی چاہی تا کہ فوجوں کے انخلا کی

تاریخ مقرر کی جائے، مگر برطانوی قیادت طرح دے کر اسے ٹالتی رہی۔ عوام بے قابو ہو گئے اور 'جنگ آزادی' کا افتتاح ہو گیا نحاس حکومت بھی عوام کے ساتھ تھی۔ وطن عزیز کی آزادی کی خاطر مجاہدین اٹھ کھڑے ہوئے، سویز کا علاقہ میدان جنگ بن گیا، اخوان المسلمون کے رضا کاروں نے اس جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بہادری اور جاں نثاری کے حیرت انگیز کرشمے دکھائے۔ اخوان نے کالجوں کے اندر عسکری تربیت کے کیمپ کھول دیئے اور تمام پارٹیوں کے طلبہ بلا استثنا اخوان کے زیر اہتمام عسکری تربیت لینے لگے۔ انگریزی فوج حواس باختہ ہو گئی یہاں تک کہ اس کے ہائی کمان فاید ریڈیو اسٹیشن سے مسلسل یہ اعلان نشر کرتے رہے کہ جو شخص شیخ محمد فرغلی کا سر قلم کر کے لائے گا اسے ۵ ہزار پونڈ انعام دیا جائے گا۔ شیخ فرغلی اخوان کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ اس جنگ میں انہوں نے گوریلا دستوں کی مدد سے انگریزی فوجوں کے چھکے چھڑا دیئے (جمال عبدالناصر نے ۱۹۵۴ء کے اواخر میں اخوان کے جن رہنماؤں کو پھانسی کی سزا دی ان میں سے ایک شیخ محمد فرغلی بھی تھے)۔ وفد گورنمنٹ اخوان مجاہدین کی شجاعت، تدبیر، قربانی اور جذبۂ جہاد سے اس قدر متاثر ہوئی کہ اس نے اخوان رہنماؤں کو بلا کر اس امر پر تبادلۂ خیال کیا کہ جنگ کی کمان کلیتاً اخوان رضا کاروں کے سپرد کر دی جائے۔ مگر اس تجویز کے اگلے ہی روز قصر نے وفد گورنمنٹ کو توڑ دیا۔

وفد گورنمنٹ کے ساتھ اخوان کا یہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ حکومت اخوان کی سیاسی سرگرمیوں پر قدغن عاید نہیں کرے گی۔ حالانکہ اس سے پہلے یہی حکومت کوشش کر چکی تھی کہ اخوان سیاسیات میں حصہ نہ لیں اور وزیر داخلہ فواد سراج الدین (جو وفد کے جنرل سکریٹری بھی تھے) پارلیمنٹ سے بھی ۱۹۵۰ء میں قانون پاس کروا چکے تھے۔ مگر اخوان نے یہ قانون تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بالآخر وفد گورنمنٹ کو خود ہی جھکنا پڑا۔

وفد گورنمنٹ کو ختم کرنے کا مقصد آزادی کی تحریک کو دبانا تھا۔ علی ماہر کو وزارت بنانے کی دعوت دی گئی۔ مگر یہ وزارت بھی چند روز کی مہمان رہی۔ علی ماہر کے بعد نجیب ہلالی لائے گئے۔ وہ بھی زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکے۔ ان دونوں نے سابقہ حکمرانوں کے برعکس نئی طرح ڈالی۔ یہ اخوان المسلمون اور دیگر سیاسی پارٹیوں کے سربراہوں سے ملتے اور ان سے مشورہ کرتے۔ نجیب ہلالی کے دورِ وزارت

میں اخوان نے حالات کے عدم استقرار کی وجہ سے عارضی طور پر یہ اعلان کیا تھا کہ وہ انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے۔ نجیب ہلالی کے بعد حسین سری اور پھر دوبارہ نجیب ہلالی آئے۔ان سب وزارتوں کی حیثیت کٹھ پتلی سے زیادہ نہ تھی۔ بپھرے ہوئے عوام کو طفل تسلیوں میں مبتلا کرنا مقصود تھا۔

۱۹۵۲ء کا فوجی انقلاب

جولائی ۱۹۵۲ء میں مصر کی سرزمین نے ایک اور انقلاب دیکھا۔ شاہ مصر فاروق سے قدرت نے انتقام لیا اور آن کی آن میں اس کا فرعونی جاہ وحشم داستان پارینہ بن گیا۔ یہ انقلاب کیسے برپا ہوا اور اس کی کام یابی کے اسباب کیا ہیں اور اس کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟ ان سب سوالات کا جائزہ لیے بغیر بعد کے حالات کو سمجھنا ناممکن ہے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ مختصراً ان سوالات پر روشنی ڈال دی جائے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں انگریزی استعمار نے مصر کے اندر اپنا نفوذ پیدا کرنا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے خدیو مصر کو اپنی جھولی میں ڈال لیا۔ احمد عرابی پاشا اور مصطفیٰ کامل جیسے محبان وطن نے ان نفوذ کو روکنے کی کوشش کی، مگر یہ طوفان روز بروز تیز ہوتا گیا۔ حریت پسندوں نے یکے بعد دیگرے کئی تنظیمیں قائم کیں مگر کسی کی بن نہ آئی۔ ۱۸ر دسمبر ۱۹۱۴ء کو باقاعدہ مصر پر برطانوی تولیت کا اعلان کر دیا گیا، مصری قوم اس تولیت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ ۲۸ر فروری ۱۹۲۲ء کو برطانیہ اپنی 'تولیت' کو ختم کرنے پر مجبور ہوا مگر اس کے ساتھ ہی 'تحفظات' کی ایسی زنجیریں مصر کے پاؤں میں ڈال دی گئیں کہ بظاہر اگرچہ برطانیہ کی تولیت ختم ہو چکی تھی مگر 'مصر کے دفاع' غیر ملکیوں کے تحفظ، اور اس جیسے دوسرے عنوانات کے پردے میں یہ دیو استبداد برابر رقص کناں رہا۔ ۱۹ر اپریل ۱۹۲۳ء کو مصر میں پہلی دفعہ دستور کا نفاذ ہوا اور مصر کو خود مختار ریاست کی حیثیت دی گئی اور اسلام کو اس کا مذہب قرار دیا گیا۔ مگر استعمار کو جو ملک کے اندر دخیل ہو رہا تھا مصر کی یہ روش کہاں پسند تھی۔ چنانچہ ۲۶ر اگست ۱۹۳۶ء کو مصر اور

برطانیہ کے مابین ایک معاہدہ وجود میں آیا جس کا نام تھا 'دوستی اور رفاقت کا معاہدہ'۔ اس معاہدہ کی رو سے مصر نے برطانیہ کو یہ 'رخصت' دے دی کہ وہ 'سویز کے آس پاس انگریزی فوجوں کی چھاؤنی قائم کرسکتا ہے جو سویز کے تحفظ کی ضامن ہوں گی۔' اس طرح سے انگریز باقاعدہ جنگی قوت کے ساتھ مصر کے اندر اتر آیا اور مصر کی بدقسمتی کا دن طلوع ہوگیا۔ اس کے بعد مصر میں دستوری حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور انگریز اور شاہ مصر اور ان کی کٹھ پتلی وزارتیں ملک پر مسلط ہوگئیں۔ سویز کے 'تحفظ' کو انگریزی فوجوں نے ہاتھ میں لے کر گویا مصر کی اقتصادی شاہ رگ ہاتھ میں لے لی اور جوں جوں انگریز کا نفوذ بڑھتا گیا اور مصر کی بے بسی میں اضافہ ہوتا گیا، انگریز مصر کے پورے نظام پر غالب ہوتا گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مصر کے اقتصادی نظام، تعلیمی اور ثقافتی نظام اور داخلی اور خارجی سیاست کی رگوں میں انگریزی ڈپلومیسی کا خون جاری وساری ہوگیا۔ مدرسوں اور کالجوں کی اکثریت عیسائیوں کے ہاتھ میں تھی۔ معلّمین اور معلمات عیسائی تھے، تجارت پر یورپی کمپنیوں کا قبضہ تھا اور مصری قوم ان کے مظالم کی چکی میں بری طرح پس رہی تھی۔ شاہ فواد الاول کے دور میں تو مصری عوام کو کچھ نہ کچھ بولنے کی آزادی تھی مگر فاروق کا دورِ اقتدار مصری عوام کے لیے دوہری غلامی کا دور تھا۔ ایک انگریزوں کا تسلط اور دوسرا فاروق کا استبداد۔

حسن البنّا نے اخوان المسلون کی تاسیس کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مصر کی پژمردہ اور مایوس قوم کے اندر جہاد کا جذبہ پھونکا۔ جہاد کے موضوع پر ان کا مشہور رسالہ اخوان کے ابتدائی دور کی آواز ہے۔ اس رسالہ میں امام البنا نے بڑی بلاغت اور جامعیت کے ساتھ مصری عوام کو اس نسخے کی طرف توجہ دلائی ہے جو مسلمان قوموں کی پستی اور انحطاط کا اصل علاج ہے۔ امام البنا نے اس رسالے میں پہلے قرآن کی ان تمام آیات کو پیش کیا ہے جن میں جہاں کی فرضیت کا واضح حکم موجود ہے۔ اس کے بعد احادیث نبویہ سے بہ تفصیل استشہاد کیا ہے۔ ان کے رسالہ کا اہم باب وہ ہے جس میں انہوں نے جہاد کے بارے میں امت اسلامی کے تمام فقہا کے احکام بیان کیے ہیں۔ ابن قدامہ صاحب المغنی کی رائے بیان کی ہے کہ 'جب کسی شہر کے اندر کفار اتر آئیں تو اس کے باشندوں پر یہ فرض عین ہوجاتا ہے کہ وہ ان سے قتال کریں اور شہر سے ان کو نکالیں۔' ازہر کے گوشوں میں بیٹھنے والے علماء کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا ہے کہ امام بدرالدین عینی شارح بخاری

سے کون بڑا عالم ہوسکتا ہے۔ان کا معمول تھا کہ ایک سال وہ جہاد کرتے ،ایک سال تعلیم وتدریس میں مصروف رہتے اور ایک سال حج میں گزارتے۔' آخر میں ان لوگوں کو بھی سرزنش کی ہے جو قتال کو جہاد اصغر اور جہاد نفس کو جہاد اکبر قرار دے کر اصلاح نفس کی آڑ میں لوگوں کو پست حوصلہ کررہے تھے۔لکھتے ہیں:

"بعض لوگ یہ کوشش کررہے ہیں کہ عامۃ الناس کو قتال کی اہمیت اور جہاد کی تیاری سے روک دیں۔وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہے کہ جہاد اکبر یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے مجاہدہ کرے۔یہ دلیل بے بنیاد ہے۔حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب تسدید القوس میں لکھا ہے کہ یہ قول عام زبانوں پر جاری ہے، مگر یہ رسول ؐ کا قول نہیں ہے بلکہ ابراہیم بن عبلہ راوی کا کلام ہے۔"

چنانچہ اخوان المسلمون نے اپنے بنیادی مقاصد میں سے یہ قرار دیا کہ:

'والموت فی سبیل الله اسمی امانینا' (اللہ کی راہ میں شہادت ہماری بلند ترین تمنا ہے) یہ صرف ان کا زبانی نعرہ نہیں تھا بلکہ عملاً بھی انہوں نے اپنے ارکان کو جہاد کی تربیت دینا شروع کی۔کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نوجوان فضول کاموں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے فوجی تربیت حاصل کرتے اور جہاد کی روح قوم کے اندر پھونکتے۔اس جذبۂ جہاد کا صحیح مظاہرہ اس وقت ہوا جب ۱۹۴۸ء میں یہودیوں کے خلاف عرب عوام نے جنگ برپا کردی۔انور السادات نے (جو جمال عبدالناصر کے دست راست اور موجودہ صدر جمہوریہ ہیں) اپنی ڈائری 'صفحات مجھولہ' ص ۱۷۷ پر لکھا ہے:

"ان دنوں (یعنی ۱۹۴۸ء کی جنگ فلسطین میں) جہاد وقتال کے لیے سب جماعتوں سے بڑھ کر جو جماعت بے تابی کا اظہار کررہی تھی وہ الاخوان المسلمون تھی۔جس شام فلسطین کو روانگی تھی، حسن البنا اور شیخ فرغلی آئے اور مجاہدین کے دستوں سے خطاب کیا اور ان میں بڑا جوش وخروش پیدا کردیا۔"

روح جہاد پھونکنے کے ساتھ اخوان المسلمون نے دوسرا بڑا کام یہ کیا کہ ملک کے اندر اسلامی حکومت کے قیام کا مطالبہ اٹھادیا۔۱۹۳۸ء میں حسن البنّا نے وزیر قانون احمد خشبہ پاشا کو

طویل مکتوب لکھا جس میں مطالبہ کیا کہ 'پچاس سال سے غیر اسلامی قوانین آزمائے جارہے ہیں اور وہ سخت ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ اب اسلامی شریعت کا تجربہ کیا جانا چاہیے۔' اس مکتوب میں امام حسن البنّا نے پہلے اسلامی قانون کی اہمیت کتاب اللہ کی رو سے بیان کی ہے اور پھر بتایا ہے کہ اگر اپنے ملک (مصر) کے دستور اور قانون پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ان کا مآخذ اور سرچشمہ کتاب و سنت نہیں بلکہ یورپ کے ممالک: بلجیم، فرانس، اٹلی وغیرہ کے دساتیر و قوانین ہیں۔ ہمارا دستور کلیات کے اعتبار سے بھی اور جزئیات کے لحاظ سے بھی اسلام سے صریح طور پر متصادم ہے۔ اب غور کیجیے کہ اگر ایک مسلمان کے سامنے ایسا معاملہ آجاتا ہے جس کا فیصلہ اسلام کی رو سے کچھ ہے اور موجودہ قانون کی رو سے کچھ اور، تو اس وقت وہ مسلمان کون سا مؤقف اختیار کرے گا۔ پھر غور کیجیے کہ اس ملک کے مجسٹریٹ، جج، چیف جسٹس اور وزیر قانون کے لیے احکم الحاکمین کے احکام کی مخالفت کیسے جائز اور حلال ہوگی؟''

اس زبردست تنقید کے بعد امام حسن البنا نے ان لوگوں کے اعتراضات کا جواب دیا ہے جو عصر حاضر میں اسلامی قانون کے نفاذ کو ناممکن خیال کرتے ہیں اور آخر میں اس مطالبے پر مکتوب کو ختم کیا ہے کہ:

> ''الاخوان المسلمون کا مطالبہ یہ ہے کہ ہماری حکومت شریعت اسلامیہ کی طرف لوٹے اور مصری قانون کے نظام کو فوراً شریعت کی بنیادوں پر استوار کرے۔ ہم ایک مسلم قوم ہیں، ہم نے عزم کر لیا ہے کہ ہم صرف اللہ کے قانون اور قرآن اور محمد ﷺ کی تعلیمات کی حکم رانی اور بالادستی تسلیم کریں گے خواہ ہمیں اس کی بھاری سے بھاری قیمت ادا کرنی پڑے اور بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنی پڑے۔ ایک آزاد اور خود مختار مسلمان قوم ہونے کی حیثیت سے یہ ہمارا فطری حق ہے اور سیاسی و اجتماعی شوکت و استقلال کا کوئی دوسرا مظہر اس کا بدل اور قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ آپ بھی اس حق کے حصول میں ہماری مدد کیجیے۔ اس صورت حال کو بدلنے کی کوشش کیجیے اور قوم کو مجبور نہ کیجیے کہ وہ کسی ایسے راستے پر پڑ جائے جس پر مایوسی اور اضطرار کی حالت میں عموماً قومیں پڑ جایا کرتی ہیں۔''

ایک طرف الاخوان کا یہ مطالبہ تھا اور دوسری طرف مصر میں بادشاہت کا کوس لمن الملك بج رہا تھا۔ خدیو توفیق پاشا نے عرابی پاشا کو کہا تھا کہ: 'یہ ملک مجھے اپنے باپ دادا سے ورثے میں ملا ہے۔ یہی تصور توفیق پاشا کے جانشینوں کے دماغ میں رچا بسا ہوا تھا۔ تاہم فواد الاول (متوفی ۱۹۳۶ء) کا عہد بسا غنیمت تھا۔ مگر فاروق کا عہد سیاسی ابتری اور انگریزوں کی دراندازی کی وجہ سے تاریک ترین عہد تھا ــــــ اس دور میں حسن البنا وہ واحد شخصیت تھے جو دربارشاہی سے کنارہ کش رہے۔ ورنہ یہ وہ حمام تھا جس میں نحاس پاشا جیسے حُر، طٰہٰ حسین جیسے آزاد خیال، احمد حسن زیات جیسے صاحب طرز ادیب اور محمد حامد فقی جیسے سنت کے علم بردار سب ننگے نظر آتے ہیں۔ خود فاروق بھی حسن البنّا سے نفرت کرتا تھا۔ شروع شروع میں تو وہ اخوان کی تحریک کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ مگر جوں جوں اسلامی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ زور پکڑتا گیا، اس کی آنکھیں کھلتی گئیں۔ انور السادات نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ ۱۹۴۴ء میں اس نے (یعنی انور السادات نے) حسن البنّا سے ملاقات کی۔ اس وقت حسن البنّا شاہ فاروق کی طرف سے کچھ متفکر سے تھے کہنے لگے:

> ''شاہ الاخوان کی دعوت سے شدید خطرہ محسوس کر رہا ہے۔ اس کے کانوں تک یہ بات پہنچ چکی ہے کہ الاخوان کی دعوت کی بنیاد یہ ہے کہ حکمران عوام کی مرضی اور بیعت سے مقرر ہونا چاہیے۔ موروثی بادشاہت کا اسلام میں کوئی تصور نہیں .... چنانچہ شاہ سوچ رہا ہے کہ کس طرح الاخوان پر ہاتھ ڈالا جائے۔'' (صفحات مجہولہ ص ۹۹)

الاخوان اور فاروق کی کشمکش اس حد تک بڑھی کہ بالآخر فاروق اور عبدالہادی پاشا نے مل کر امام حسن البنّا کو شہید کروا دیا اور بعد کی عدالتی تحقیقات سے یہ ثابت ہوگیا کہ قاتلین میں فاروق کا خادم خاص بھی شامل تھا۔ بہرحال اخوان کی تحریک نے مصری عوام کے دلوں میں اچھی طرح یہ حقیقت اتار دی تھی کہ جب تک ملک کے اندر سے بادشاہت کی بساط الٹ نہیں دی جاتی یہاں کوئی اصلاح کارگر نہیں ہوسکتی اور پھر بادشاہت کا خاتمہ اصل مقصود نہیں، بلکہ اسلامی حکومت کا قیام اصل چیز ہے۔ فاروق کے استبداد، اس کی اخلاقی انارکی، انگریزوں سے اس کے گٹھ جوڑ اور فلاحین پر اس کے کارندوں کے بے پناہ مظالم اخوان کی دعوت میں جادو کا اثر ڈال رہے تھے

اور ایک وقت وہ آ گیا کہ مصر کا بچہ بچہ فاروق سے بے زار ہو گیا۔

فاروق کے عہد میں جو وزارتیں قائم ہوتی رہیں وہ دو حالات سے خالی ہوتی تھیں، یا تو وہ فاروق کی مرضی سے قائم ہوئی تھیں اور ان کی حیثیت کٹھ پتلی سے زیادہ نہ ہوتی تھی اور یا ان کی پشت پر انگریزی فوج ہوتی تھی۔ چنانچہ فروری ۱۹۴۲ء میں وفد پارٹی کی حکومت برطانوی حکومت کے ٹینکوں کی بدولت قائم ہوئی تھی۔ (ملاحظہ ہو کتاب: فاروق بین القمۃ والحفیض ص ۳۷)

چنانچہ الاخوان نے ان تمام حکومتوں سے اپنی بے زاری اور عدم تائید کا اعلان کر دیا تھا۔

اس کہانی کا چوتھا کردار مصری فوج ہے۔ مصری فوج بلاشبہ اس وقت عرب ممالک کی افواج میں سب سے مضبوط اور تربیت یافتہ فوج سمجھی جاتی تھی مگر انگریزی فوج کے وجود نے اسے بے بس کر رکھا تھا۔ مصری فوج کے افسروں کی اکثریت شاہ پرستی کی بیماری میں مبتلا تھی اور صرف محدود عنصر ایسا تھا جو حالات کی سنگینی اور ابتری پر خون کے آنسو بہاتا رہتا تھا۔ لیکن ملک کے اندر اصلاحی کام کرنے کے لیے ضروری تھا کہ جس عنصر کے ہاتھ میں ملک کی اصل طاقت ہے خود اس کے ذہن وفکر کی دنیا میں تبدیلی ہو۔ مصر کا موجودہ صدر انور السادات ان پہلے فوجی افسروں میں سے ہے جو حسن البنّا کی دعوت سے واقف ہوئے۔ چنانچہ انور السادات اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ 'حسن البنّا سے متعدد فوجی افسر آ کر ملتے۔ حسن البنّا کا مقصد صرف یہ تھا کہ کس طرح مصری فوج کے افسروں میں دین داری پیدا ہو۔' (صفحات مجہولہ ص ۳۴۹) حسن البنا کی موہوب شخصیت اور ان کی ربانی دعوت کی یہ معجزانہ تاثیر تھی کہ مصری جیش کے اندر اسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ انور السادات لکھتا ہے:

> "اہل وطن انگریزی نفوذ سے ہر قیمت پر جان چھڑانا چاہتے تھے۔ اسی جذبے کے تحت مصری فوج کے حریت پسند افسروں کے گروپ اور حسن البنا کے درمیان ربط ضبط پیدا ہوا۔" (ایضاً ص ۳۴۹)

> "یہ ربط اتنا بڑھا کہ مصری فوج کا ایک گروہ اخوان کو مصر کی نجات کی واحد امید سمجھتا تھا۔" (ایضاً ص ۱۵۶)

اس طرح سے اخوان نے ہر محاذ پر انگریزوں کے تسلط و ربادشاہت کے استبداد سے

مصری قوم کونجات دلانے کے لیے زمین ہم وار کی اور بالآخر جولائی ۱۹۵۲ءکو وہ انقلاب برپا ہوا جس کے بعد مصر سے بادشاہت کا خاتمہ کر دیا گیا۔اس انقلاب کی کام یابی صرف فوج کے سر نہیں ہے۔مصری فوج کے اندر اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ کوئی ایسا اقدام کرتی جس میں اس کا تین سخت جان حریفوں سے پالا پڑنے والا تھا۔ایک انگریزی فوج،دوسرے فاروق اور تیسرے مصر کے طالع آزما سیاست دانوں کی حکومت۔بے شک انقلاب کی پہلی توپ فوج نے چلائی۔لیکن انگریزی تسلط اور فاروق کے خلاف اخوان مصری عوام کے اندر بے زاری کے بیج اس قدر بو چکے تھے کہ انقلاب کی توپ سنتے ہی پوری قوم نے اس پر خیر مقدم کے پھول نچھاور کیے۔بقول جنرل نجیب: 'انقلاب کے بعد عرصہ دراز تک الاخوان اور انقلابی کونسل میں خاصا تعاون رہا۔' امام حسن البنّاؒ کے قاتل گرفتار کیے گئے۔اخوان کے سیاسی قیدیوں کو رہا کیا گیا۔اخوان بھی انقلابیوں کی تائید میں کم نہ تھے بلکہ ایک گروہ ان کی تائید میں اتنا آگے تھا کہ اخوان کے بہت سے خیر اندیشوں کو یہ روش بری طرح کھٹکی اور یہی وجہ ہے کہ حسن الہضیبی اور جماعت کے جوشیلے نوجوانوں کے درمیان اس مسئلے پر کچھ اختلاف بھی ہوا۔

اخوان اور انقلابی کونسل میں اختلافات

آخر کار اخوان اور انقلابی حکومت کے درمیان اختلافات نے سر اٹھالیا جو کم ہونے کے بجائے بڑھتے گئے اور نوبت تاریخ کی زبردست ٹریجڈی تک پہنچ گئی۔ ان اختلافات کی ترتیب اور خلاصہ یہ ہے:

۱- اختلافات کا پہلا موقع انقلابی وزارت کی تشکیل کے وقت پیش آیا۔ ۹ ستمبر ۱۹۵۲ء کو انقلابی کونسل نے علی ماہر کو (جو انقلاب کے بعد وزیراعظم بنائے گئے تھے) برطرف کردیا اور محمد نجیب نے وزارت کی تشکیل کی۔ انقلابی کونسل نے اخوان کو تین وزیروں کے اشتراک کی پیش کش کی۔ مکتب الارشاد (اخوان کی مجلس شوریٰ) نے اس پیش کش کو قبول نہ کیا۔ حسن الہضیبی جماعت کو ایسی حکومت میں شامل کرنے کے لیے تیار نہ تھے جس میں اصل اختیارات حکومت کو نہیں بلکہ انقلابی قیادت کو حاصل ہوں۔ حسن الہضیبی نے کہا کہ: 'ہم حکومت کے بے لوث خیر خواہ ہیں، ارباب اقتدار اچھا کام کریں گے تو ہماری تائید ہوگی۔ اور اگر ان سے غلطیاں سرزد ہوں گی تو ہم اس پر ٹوکیں گے۔' مکتب الارشاد کے ایک رکن احمد حسن باقوری نے جماعت کے فیصلے کے خلاف وزارت قبول کرلی اور انہیں جماعت سے مستعفی ہونا پڑا۔

۲- اخوان نے اسلامی نظام کے احیا کا مطالبہ دوہرانا شروع کردیا۔ المسلمون (اگست ۱۹۵۲ء) نے 'انقلاب' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ 'جہاں تک قوم کو استعمار اور استعباد سے نجات دلانے کا تعلق ہے وہ انقلاب نے پورا کردیا ہے۔ لیکن اصل کام ایک ایسی نسل

کی تیاری ہے جو عقل وفکر کے لحاظ سے جذبات واحساسات کے لحاظ سے اور اخلاق واعمال کے لحاظ سے پوری مسلمان ہو۔جس پر احکام اسلامی کی تنقید کے لیے بھروسہ کیا جاسکے۔ یہ کام صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جو اسلام کا صحیح فہم رکھتے ہیں اور حق و باطل کے معرکے میں جن کے قدم کسی حال میں بھی نہیں ڈگ مگا سکتے۔' اخوان نے انقلابی کونسل سے مطالبہ کیا کہ ملک کے اندر شراب نوشی اور قمار بازی کو ممنوع قرار دیا جائے، لیکن کونسل نے صرف چند بنیادی پابندیاں تجویز کیں جن سے اخوان راضی نہ ہوئے۔

(محمد نجیب: مصر کا انجام ص ۱۵۶)

۳- ۱۰ / دسمبر کو مصر کا دستور منسوخ قرار دے دیا گیا اور نئے دستور کے لیے سو ممبروں کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ حسن الہضیبی نے ممبروں کے رجحانات دیکھ کر مطالبہ کیا کہ اس امر پر استصواب رائے کرایا جائے کہ مصر کو اسلامی شریعت چاہیے یا مغربی قانون۔ یہ مطالبہ انقلابی کونسل کو ناگوار گزرا۔

۴- ۱۶ / جنوری ۱۹۵۳ء کو انقلابی کونسل نے ایک قانون کے ذریعہ تمام سیاسی پارٹیوں کو ختم کر دیا۔ اس موقع پر حسن الہضیبی کی تجربہ کاری اور دور بینی کام آئی۔ پرجوش اخوانی فوج کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کرنا چاہتے تھے۔ مگر حسن الہضیبی نے اپنا تشخص الگ قائم رکھنا ضروری سمجھا خواہ اس کے نتیجے میں چھوٹی موٹی سیاسی دل چسپیوں سے کنارہ کش ہونا پڑے۔ چنانچہ انہوں نے انقلابی کونسل کو ایک یادداشت بھیجی جس میں الاخوان کو مروجہ سیاسی پارٹیوں کی صف میں شمار کرنے پر اعتراض کیا اور بتایا کہ 'الاخوان ایک ہمہ گیر دینی جماعت ہے، سیاست اس کے کام کا صرف ایک جز ہے۔ اخوان حکومت کے طالب نہیں ہیں، اور نہ وہ پارلیمنٹ کے انتخاب میں حصہ لیں گے۔' اس طرح مرشد نے جماعت کو سخت حادثے سے بچا لیا۔

۵- ۲۳ / جنوری ۱۹۵۳ء کو سرکاری پارٹی 'ستہ التحریر' کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ اور اخوان اور دوسری سیاسی پارٹیوں کے کارکنوں کو اس میں مدغم ہونے کی دعوت دی گئی۔ اخوان نے ادغام سے انکار کر دیا۔ حسن الہضیبیؒ نے جمال عبد الناصر سے مل کر ان پر واضح کیا

کہ 'انقلاب، تمام قوم کی آرزوؤں کا آئینہ دار ہے اس لیے اس کو کسی خاص پارٹی سے منسوب نہ کرنا چاہیے۔ اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ طالع آزما اور ابن الوقت لوگ اس نئی تنظیم میں داخل ہوکر اسے ذاتی اغراض کے لیے استعمال کریں گے اور حکومت اور انقلاب کو بدنام کریں گے۔'

۶۔ ۲۲ر فروری ۱۹۵۳ء سے برطانیہ کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا۔ ـــــــــ اخوان مذاکرات کو سابقہ تجربات کی روشنی میں ضیاعِ وقت سمجھتے تھے اور مزید برآں کسی ایسی شرط کو قبول کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے جو انگریز کو کسی بھی بہانے سے دوبارہ مصر کے اندر قدم رکھنے کا موقع دیتی ہو۔

۷۔ شرائط معاہدہ کے بارے میں مذاکرات ہو رہے تھے کہ مسٹر ایونز انگریزی سفارت خانہ کے عہدے دار نے مرشد عام (حسن الہضیبی) سے ملاقاتیں کیں تاکہ شرائط معاہدہ کے بارے میں اسے اخوان کی رائے معلوم ہو۔ اس کا مسٹر ایونز اور اخوان دونوں کو اقرار ہے۔ مرشد نے ان ملاقاتوں میں حکومت کے موقف کی پوری تائید کی اور فوراً ہی میجر صلاح سالم (وزیر الارشاد القومی) کو بلا کر گفتگو کی تفصیلات سنا دیں۔ مگر اس کے باوجود انقلابی کونسل کی طرف سے اخوان پر انگریزوں سے سازباز کا الزام تھوپ دیا گیا۔

یہ تھے اخوان اور انقلابی کونسل کے درمیان اختلافات کے اصل اسباب۔ مگر ۱۲ر جنوری ۱۹۵۴ء کو ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس کو بہانہ بنا کر اخوان کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ اس تاریخ کو اخوانی طلبہ یونیورسٹی کے میدان میں یوم شہداء منا رہے تھے کہ اچانک ہیئۃ التحریر کی ایک جیپ آئی جس میں کئی مسلح آدمی سوار تھے۔ پہلے انہوں نے 'اللہ اکبر' اور 'العزۃ المصر' کے نعرے لگائے اور جب انہیں روکا گیا تو انہوں نے ریوالوروں سے فائرنگ شروع کردی۔ اخوان کے طلبہ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس واقعہ کو بہانہ بنا کر انقلابی حکومت نے اخوان کو خلاف قانون قرار دے دیا اور ان کے متعدد رہنماؤں کو گرفتار کرلیا۔ ادھر جنرل نجیب کو بھی انقلابی قیادت نے برطرف کردیا جس کی وجہ سے ملک کے اندر زبردست ہنگامے کھڑے

ہو گئے۔فوج میں بھی افراتفری برپا ہوگئی۔انقلابی قیادت محمد نجیب کو واپس لانے پر مجبور ہوئی، بلکہ اخوان اور دوسری سیاسی پارٹیوں کی بحالی کا اعلان بھی کردیا گیا۔اس اعلان کے تین روز بعد ہیئۃ التحریر نے جوابی ہنگامے برپا کردیئے اور ملک کی فضا اس قدر مکدر ہوگئی کہ نجیب کو روپوش ہونا پڑا۔اخوان کے سوا تمام سیاسی پارٹیوں کو توڑ دیا گیا اور خود جمال عبدالناصر وزارت عظمیٰ کی گدی پر بیٹھ گئے۔

یکم ستمبر ۱۹۵۴ء کو برطانیہ سے معاہدہ انخلا پر دستخط ہوئے۔اخوان نے اس معاہدہ کو مسترد کردیا اور اخوان اور انقلابی رہنماؤں کے درمیان تند و تیز بحث شروع ہوگئی۔ ۲۶/اکتوبر ۱۹۵۴ء کو جمال عبدالناصر پر قاتلانہ حملہ ہوا جس کا الزام اخوان پر لگایا گیا اور اس طویل داستان کا آخری باب یوں ختم ہوا کہ اخوان کے چھ رہنماؤں کو موت کی سزا دی گئی۔ ہزارہا افراد کو جیلوں میں ڈال دیا گیا اور انہیں اس قدر سخت تعذیب واذیب کا نشانہ بنایا گیا کہ تاریخ انسانی کے سیاہ ترین دور بھی لرز اٹھے۔ایک طرف انقلابی حکام نے فرعون ونمرود اور چنگیز وہلاکو کی یاد تازہ کردی اور دوسری طرف اخوان قیدیوں نے بلال، خبیب اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم جیسے سرفروشان اسلام کا اسوہ زندہ کردیا۔

اخوانی رہنماؤں کی شہادت

اس مقام پر ہم مصر کے نامور روزنامہ 'المصری' کے ایڈیٹر احمد ابوالفتح کی کتاب 'جمال عبدالناصر' سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں اس اقتباس سے ان حالات کا بھی کچھ نہ کچھ اندازہ ہوجاتا ہے جن میں اخوان کے چھ رہنماؤں کو پھانسی کی سزا دی گئی اور ان کے ہزارہا افراد کو جیلوں میں ٹھونسا گیا۔احمد ابوالفتح لکھتا ہے:

> ''گرفتار شدہ اخوان کے خلاف مقدمہ کی کارروائی اس عدالت کے سامنے ہوئی جس کا نام جمال عبدالناصر نے پیپلز کورٹ (محكمة الشعب) تجویز کیا تھا۔یہ عدالت تین 'ججوں' پر مشتمل تھی اور یہ تینوں عبدالناصر کے ساتھی اور انقلابی کونسل کے رکن تھے۔ظاہر ہے کہ ایسی عدالتی کارروائی شرمناک ڈرامے کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ملزموں

کی ان گنت پیشیاں کی گئیں اور جب وہ عدالت کے کمرہ میں داخل ہوتے توان کے جسموں اور چہروں پر وحشیانہ تعذیب کے آثار صاف نمایاں ہوتے تھے۔'ججوں' نے ایک مرتبہ بھی 'عدالت' کے اندر تعذیب واذیت کے موضوع کو نہ چھیڑا۔'

'یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ یہ 'عدالت' صرف اس لیے قائم کی گئی ہے کہ اخوان کے ممتاز افراد کو تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے اور عام لوگوں کو جیلوں میں بند کر دیا جائے۔ چنانچہ بالفعل اس عدالت نے عبدالناصر کے منصوبے کے تحت مفوضہ مشن کو انجام دے دیا۔'عدالت' نے سات آدمیوں کو موت کی سزا سنائی۔ان میں ایک اخوان المسلمون کے مرشد اعلیٰ حسن الہضیبی اور باقی چھ جماعت کے صف اول کے رہنما تھے۔جن کے نام یہ ہیں :عبدالقادر(۱) ایڈوکیٹ سکریٹری اخوان المسلمون، شیخ محمد فرغلی ، یوسف طلعت، ابراہیم الطیب اور ہنداوی دویر۔

۱۔عبدالقادر عودہ اخوان المسلمون کے نمایاں رہنماؤں میں سے تھے۔موصوف دور فاروق میں مصری عدالت کے جج تھے۔ مگر انہوں نے اس بنا پر اس عظیم منصب سے استعفیٰ دے دیا تھا کہ وہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے غیر الٰہی قانون کے تحت مقدمات کے فیصلے جائز نہیں سمجھتے تھے۔اس کے بعد وہ اخوان سے منسلک ہو گئے۔اور نائب مرشد عام کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

موصوف متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ان کی جس کتاب کو سب سے زیادہ شہرت نصیب ہوئی وہ التشریع الجنائی الاسلامی (اسلام کا قانون فوج داری) ہے، جو دو ضخیم جلدوں میں ہے۔اس کتاب نے دنیا کے قانون داں حلقوں سے بے پایاں خراج تحسین حاصل کیا ہے۔انہوں نے یہ کتاب ۱۹۵۱ء میں تصنیف کی تھی۔کتاب کی اہمیت وندرت کے پیش نظر حکومت کی طرف سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ مصنف کو فواد الاول پرائز دیا جائے مگر شرط یہ لگائی گئی کہ اس کتاب کے دو جملے حذف کر دیئے جائیں۔ایک جملہ یہ تھا کہ اسلام موروثی بادشاہت کا قائل نہیں ہے۔اور دوسرا یہ کہ اسلام میں کوئی حاکم قانون سے بالا نہیں ہے۔استاذ عبدالقادر عودہؒ نے یہ جملے حذف کرنے سے انکار کر دیا اور اس انعام کو ٹھکرا دیا جو ایک ہزار مصری پونڈ کی مقدار میں انہیں مل رہا تھا۔مزید برآں انہیں فاروق شاہ مصر کی ناراضگی بھی مول لینا پڑی کیوں کہ ان جملوں کی زد براہ راست فاروق پر پڑتی تھی۔اس کتاب کے علاوہ عبدالقادر عودہؒ کی اور بھی چند تصانیف ہیں مثلاً (۱) الاسلام واوضاعنا القانونیة (اسلام اور ہمارا قانونی نظام) (۲) الاسلام واوضاعنا السیاسة (اسلام اور ہمارا سیاسی نظام) (۳) المال والحکم فی الاسلام (مالی معاملات اور حکمرانی کے بارے میں اسلام کی تعلیمات) (۴) الاسلام حائر بین جهل ابنائه وعجز علمائه (اسلام اپنے نام لیواؤں اور اپنے علماء کی درماندگی پر محو حیرت ہے)۔

''عدالتی کارروائیاں تشدد، انتقام، حق کی پامالی اور عدل وانصاف کی توہین میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ مصریوں اور دوسرے عرب ملک کے باشندوں نے ان کارروائیوں پر نفرت کا اظہار کیا اور اس صریح ظلم کے خلاف عرب اور اسلامی دنیا کے گوشے گوشے سے صدائے احتجاج بلند کی گئی۔ شام، لبنان، لیبیا، اردن اور عراق کے شہروں میں بڑے بڑے احتجاجی جلوس نکلے جن میں ملٹری ڈکٹیٹر شپ کے سقوط کے نعرے لگائے گئے۔ عرب ملکوں اور اسلامی ملکوں کے تمام سربراہوں نے اس معاملے میں دخل دیا اور جمال عبدالناصر سے ہر ممکن طریقے سے اپیل کی کہ وہ اس المیہ کو روکیں، اخوان رہنماؤں کو موت کی سزا سے بچائیں۔ عرب ممالک کے اخبارات نے بھی ان احکام اور عدالتی کارروائیوں اور عسکری حکومت پر تند و تیز حملے کیے، لیکن عبدالناصر نے ان اپیلوں پر قطعاً کان نہ دھرا۔ بلکہ اخوان رہنماؤں کو موت کی سزا دینے میں غیر معمولی عجلت دکھائی۔ البتہ اخوان کے مرشد اعلیٰ حسن الہضیبی کو اس سزا سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔''

''عالمی اخبارات کے نمائندوں نے موت کی سزاؤں کا عینی مشاہدہ کیا اور ملزموں کی اس حیرت انگیز جرأت وشجاعت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، جس کا انہوں نے تختۂ دار پر کھڑے ہو کر مظاہرہ کیا تھا۔ روزنامہ ''فرانس سوار'' فرانس کا سب سے بڑا اخبار ہے اس کا نمائندہ جان لاکویڑ وہاں موجود تھا، اس نے اپنے اخبار میں اس حادثے کی تفصیلات نقل کی ہیں۔ اس نے مفصل رپورٹ میں جس کا عنوان ہے 'تختۂ دار کی طرف بڑھنے والوں کی جانب سے درسِ شجاعت وغیرت'______ لکھا ہے۔

'قاہرہ جیل میں جس کے صدر دروازے پر سیاہ پھریرا لہرا رہا ہے اخوان المسلمون کے چھ رہنماؤں کو پھانسی کی سزا دی گئی ہے۔ یہ لوگ سزا کے نفاذ کے وقت اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے جس نے انہیں شہادت کا درجہ دیا۔'

'یہ لوگ موت کی طرف غیر معمولی شجاعت کے ساتھ لپکے۔ آٹھ بجے کورٹ آف اپیل کی پیشانی پر سیاہ جھنڈا لہرا دیا گیا تھا۔ جہاں یہ ملزم پرسوں رات منتقل کر دیے گئے

تھے۔ معمول کے مطابق جیل کے باہر سردھوا چل رہی تھی۔ جیل کے مرکزی احاطہ میں دو دیوہیکل جلاد کھڑے ہوگئے۔ ان کی مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔ انہوں نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور ایک چھوٹے سے نیم دار دروازے کے پاس کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ یہ پھانسی گھر کا دروازہ تھا۔''

''۸ بج کر ۵ منٹ پر سب سے پہلے جسے پابجولاں لایا گیا یا صحیح لفظوں میں جسے حفاظتی پولیس تختۂ دار کی جانب لائی وہ عبداللطیف تھا۔ اس نے سر پر سرخ رنگ کی ٹوپی اوڑھ رکھی تھی اور بدن پر سیاہ قمیض اور سرخ پاجامہ تھا۔ پاؤں سے ننگا تھا، زیرلب دعائیں پڑھتا جارہا تھا، اس کے چہرے پر وہی بشاشت جھلک رہی تھی جس کا مشاہدہ ہم نے عدالت کی پیشیوں کے دوران کرلیا تھا۔ فردجرم کی تلاوت کے بعد جس میں اخوان کو اس امر پر ملامت کی گئی تھی کہ انہوں نے کرنل ناصر کی زندگی پر ہاتھ ڈالا ہے اور طاقت کے بل پر انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں، دو مولویوں نے قرآن کے کسی حصہ کی تلاوت کی اور ایک تیسرے مولوی نے جو نابینا تھا اور اسے شیخ صادی کے نام سے پکارا گیا تھا، تقریر کی جس میں اس نے اس امر کی تصدیق کی کہ عبداللطیف نے کرنل ناصر کو نشانہ بنا کر ایک شخص کو نہیں بلکہ ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ مصریوں کو قتل کرنے کا تہیہ کرلیا تھا، مگر اللہ نے کرنل صاحب کو مصریوں کی خاطر بچالیا۔ جیل کے حکام نے ملزم کو ہدایت کی کہ کلمہ شہادت پڑھے لیکن اس نے یہ کہنا شروع کردیا کہ 'میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے شہادت نصیب فرمائی'۔ شہادت اخوان المسلمون کی قیمتی آرزو ہے۔ عبداللطیف نے کوئی چیز لینے سے بھی انکار کردیا۔ اتنے میں ہم نے ایک چیخ سنی۔ لکڑی کا تختہ ملزم کے پاؤں کے نیچے سے نکل چکا تھا۔ ۳ $\frac{1}{2}$ منٹ تک اس کی نبض متحرک رہی اور پھر خاموش ہوگئی۔''

''ہر پھانسی کے بعد ہمیں آدھے گھنٹے کے لیے انتظار کرنا ہوتا تھا کیونکہ مصری قانون کی رو سے یہ لازم تھا کہ سزا یافتہ کا جثہ آدھ گھنٹہ تک لٹکا رہے تاکہ اس کی موت میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔''

''اب یوسف طلعت کو لایا گیا۔ یہ شام کی تنظیم کے نگران اعلیٰ تھے۔ پیشرو کی طرح انہوں نے بھی سرخ اور سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ یہ اپنے دو بھاری بھر کم جلادوں کے وسط میں چھوٹے سے نظر آرہے تھے۔ ہمارے سامنے سے گزرے، ان کا رنگ نیلگوں ہو رہا تھا۔ چہرہ سوج چکا تھا۔ اپنی دونوں آنکھوں کو گھما گھما کر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے محافظین کو خفگی کے لہجہ میں کہا کہ ان کا سرخ پاجامہ بار بار نیچے کھسکتا ہے۔ تختۂ دار کے قریب پہنچ کر انہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مگر جلادوں نے جواب دیا کہ 'دل میں نماز پڑھ لو۔' چنانچہ انہوں نے باآواز بلند یہ دعا کی: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِجَمِیْعِ مَنْ اَسَاءُوْا اِلَیَّ (اے اللہ میری بھی مغفرت فرما اور ان تمام لوگوں کی بھی جنھوں نے مجھ پر زیادتی کی ہے) یوسف طلعت کی نبض صرف ۲ منٹ جاری رہی۔'

''تیسرے ملزم ابراہیم طیب نے جو قاہرہ زون کی خفیہ تنظیم کے سربراہ تھے ــــــ اس موقع پر جس شجاعت کا درس دیا ہے اسے کوئی شخص فراموش نہیں کرسکتا۔ ان کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی اور وہ وسط میں چلنے کے بجائے ایک طرف ہو کر چل رہے تھے۔ حاضرین کو بڑی جرأت آموز نگاہوں سے دیکھتے اور نہایت ستھری آواز میں یہ کہتے جاتے 'اللہ کا شکر ہے کہ مجھے شہادت نصیب ہو رہی ہے۔ یہ بات بھی خوب رہی کہ ہمارے اعداء ہی ہمارے جج بن گئے۔ مگر قیامت کے روز ایک عادل حاکم کے سامنے ظالم اور مظلوم دونوں حاضر ہوں گے اور وہ حاکم عین حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔' ایک مرتبہ وہ اپنے جلاد سے کہنے لگے کہ زیادہ زور سے مت کھینچو، زنجیر میرے بازو توڑ رہی ہے۔'' اپنی معنی خیز مسکراہٹ کو ساتھ لیے ہوئے وہ آخری دروازے میں داخل ہو گئے۔''

''چوتھا ملزم ایک ایڈوکیٹ تھا ہنداوی دویر۔ جس پر یہ الزام ہے کہ اس نے قاتل کو ہتھیار فراہم کیا ہے اور اسے قتل پر اکسایا ہے۔ جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ اگر ان کی کوئی آخری خواہش ہے تو اسے بتا دیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ

''میں نے جمال عبد الناصر سے رحم کا مطالبہ کیا تھا،' جیلر نے جواب دیا:
آپ کی یہ خواہش ان تک پہنچا دی گئی تھی۔ان کے بعد اسے بھی کالی کوٹھڑی کی
طرف لے گئے۔''

''اب ایک وجیہہ اور پر تمکنت شیخ کی باری آئی، یہ محمد فرغلی تھے اخوان کے مشہور مبلغ،
حلاوت آمیز تبسم کے ساتھ آگے بڑھے، ان کے زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔'اللہ اکبر!
خدا سے ملاقات کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔' جیل کے ایک مولوی کے کانوں
میں انہوں نے آہستگی کے ساتھ کوئی بات کی اور پھر تختۂ دار کی طرف چل دیئے۔''

''چھٹا اور آخری ملزم جسے دار کی طرف بڑھنا تھا— شیخ عبد القادر عودہ تھے۔موصوف
اخوان کی تحریک کے فکری رہنما ہیں۔نجیب اور اخوان کے درمیان آپ ہی حلقۂ اتصال
تھے۔انہوں نے عدالت کے اندر عدالت کے فیصلوں پر بڑی عالمانہ بحث کی
اور جب انہیں موت کا فیصلہ سنایا گیا تو جواب میں مسکرا دیئے اور شکریئے کے ساتھ
اسے قبول کیا۔ یہ ہمارے سامنے اس انداز سے گزرے کہ ان کی گردن بلند تھی اور تحمل
قدم قدم سے عیاں تھا۔آنکھوں میں مسکراہٹ تھی، گرج دار آواز سے قرآن کریم کی
تلاوت کر رہے تھے اور آخر میں انہوں نے عربی کے چند اشعار پڑھے جن کا مطلب
یہ تھا کہ 'اگر میں اللہ کی راہ میں جان دے رہا ہوں تو پھر مجھے کسی چیز کی کوئی پرواہ نہیں
ہے۔' انہوں نے اپنا سر اچھی طرح اوپر اٹھا کر کہا: 'میرا خون نظام حاضر کے لیے
لعنت ثابت ہوگا۔' انہوں نے کوئی چیز لینے سے انکار کر دیا۔تختۂ دار کی جانب جاتے
ہوئے وہ اپنے دونوں جلادوں سے آگے نکل گئے۔''

(بحوالہ اخبار 'فرانس سوار' پیرس ۸ دسمبر ۱۹۵۴ء)

''یہ چھ وہ لوگ ہیں۔جنہیں عبد الناصر نے پھانسی کی سزا دی ہے۔یہاں بہت بڑی
تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جو جیلوں کے اندر خاموشی کے ساتھ موت کی نیند سو گئے
ہیں اور کسی کو ان کی موت کی خبر نہیں ہو سکی۔طرہ جیل کا حادثہ خوب مشہور ہو چکا ہے۔
یہ حادثہ یکم جون ۱۹۵۷ء کو پیش آیا تھا، اس میں ۲۱ر آدمیوں کو جیل کے اندر بہ یک

وقت گولی سے اڑا دیا گیا تھا، کیونکہ انہوں نے اس سرکاری حکم کے خلاف احتجاجاً مشقت کرنے سے ہڑتال کردی تھی جس کی رو سے ان قیدیوں کو رشتہ داروں کی ملاقات کرنے سے محروم کردیا گیا تھا۔''

''پچاس ہزار مصریوں کو عبدالناصر نے جیل میں بند کررکھا ہے اوران کے ساتھ انتہائی سنگ دلانہ برتاؤ کیا جارہا ہے۔مزید برآں ان قیدیوں کے اہل وعیال سے بھی حددرجہ بہیمانہ اورانسانیت سوزسلوک کیا جاتا ہے، ان پچاس ہزار قیدیوں اوران کے اعزہ واقارب کی داستان نہایت الم انگیز اور نہ ختم ہونے والی کہانی ہے۔ ابھی تک ہزاروں اخوان جیلوں میں پڑے سڑرہے ہیں اورایک بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جو صحراؤں میں کیمپوں کے اندر موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔''

یہ طویل اقتباس ہم نے جمال عبدالناصر کے رفیق خاص اور المصری کے ایڈیٹر احمد ابوالفتح کی کتاب 'جمال عبدالناصر' سے نقل کیا ہے۔ احمد ابوالفتح ۱۹۵۶ء تک جمال عبدالناصر کا دایاں بازو بنا رہا اورآخر کار وہ بھی جمال عبدالناصر کی نگاہوں سے گر گیا اوراسے مصر سے راہِ فرار اختیار کرنا پڑی۔

احمد ابوالفتح کی کتاب کے مذکورہ اقتباس کا زیادہ تر حصہ پیرس کے اخبار 'فرانس سوار' کے بیان پر مشتمل ہے۔اس اخبار کے نمائندے نے جو عینی مشاہدات نقل کیے ہیں، انہیں ہم نے صرف اس لیے نقل کردیا ہے کہ اخوان رہنماؤں کی شہادت کا یہ عظیم واقعہ ایک غیرملکی صحافی کی زبان سے سن لیا جائے ورنہ ان رہنماؤں کے ساتھ جو کچھ جیلوں میں ہوا اور نام نہاد عدالت کے دوران جوان کی تذلیل کی گئی اور پھر پھانسی کے تختہ پر انہوں نے جس کردار کا ثبوت دیا وہ ایک مفصل داستان ہے۔

خدمات

گزشتہ صفحات میں ہم نے اخوان المسلمون کی تاریخ اور دعوت کا سرسری جائزہ لیا تاکہ قارئین کو یہ اندازہ ہو سکے کہ جس تحریک کے ساتھ مسلسل جبر وتشدد کا سلوک برتا جا رہا ہے اور جسے دبانے کے لیے گولی اور پھانسی کے سوا کسی طریقے پر قناعت نہیں کی جارہی ہے اس تحریک کی تاریخ کس قدر بے داغ اور شفاف ہے اور اس نے کس طرح ہر مرحلے پر اسلام سے بے لوث وابستگی، احیائے اسلام کی مخلصانہ تڑپ اور قوم ووطن کی سچی خیر خواہی کا ثبوت دیا ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اخوان کی تحریک نے مصری معاشرے پر کیا اثر ڈالا ہے اور مصری معاشرے کی ہمہ گیر اصلاح کے لیے کیا خدمات سرانجام دی ہیں۔

ہم آغاز ہی میں بتا چکے ہیں کہ اخوان المسلمون کی تاسیس ایسے دور میں ہوئی جب کہ ایک طرف عثمانی خلافت کی بساط الٹ چکی تھی اور تورانی قومیت نے سر اٹھا لیا تھا اور دوسری طرف عرب قومیت جوابی نعرہ بن چکی تھی۔ لبنان کے عیسائی اداروں اور مصر کے ملاحدہ نے عرب قومیت کی آڑ میں مصر کے اندر الحاد اور فسق وفجور اور مغرب پرستی کو خوب فروغ دیا اور بڑے بڑے مسلمان اہل علم اس رو میں بہ گئے۔ دار العلوم قاہرہ کو اس زمانے میں فکری قیادت کا منصب حاصل تھا۔ اس دار العلوم کا کلب جو حفنی ز اصف بک کی سرپرستی میں قائم ہوا تھا، اور جس کے ساتھ بڑے بڑے اہل علم وابستہ تھے کھلم کھلا 'سیاسة الباب المفتوح' یعنی مصر کا دروازہ ہر نظریئے اور ہر تہذیب کے لیے کھلا رہنے کی پالیسی کا علم بردار تھا۔ ادباء اور اہل علم کی ایک جماعت مصر کو مشرق کے بجائے یورپ کا ایک حصہ سمجھتی تھی اور بحر احمر کے بجائے بحر متوسط سے

اپنے قلابے ملاتی تھی۔ موسیٰ سلامہ جیسے ژولیدہ فکر مفکرین تو یہاں تک کہتے تھے کہ: 'اہل مصر کے لیے عربی ادب کے بجائے جرمنی اور چین کا ادب قریب تر ہے۔' صحافت کا یہ حال تھا کہ محب الدین الخطیب ۱۹۳۴ء میں مصری صحافت کا جائزہ لینے کے بعد یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ ''ہمارے ہاں کے مسلمان اخبار 'ہالی ووڈ' کے آرگن معلوم ہوتے ہیں۔' تجارت پوری کی پوری یورپین ہاتھوں میں تھی۔ نہ صرف بڑے بڑے کارخانے اور کاروباری فرمیں یورپین لوگوں کے قبضہ میں تھیں بلکہ ہوٹل اور قہوہ خانے تک ان کی ملکیت میں تھے۔ ان یورپین تاجروں میں ایک لاکھ کے قریب صرف اطالوی تھے۔ مصری مفکرین نے ان غیر ملکی تاجروں سے نجات پانے کے لیے صرف اتنا کیا کہ بنک مصر کی بنیاد ڈالی۔ یہ بنک طلعت حرب پاشا نے قائم کیا اور مصری سینماؤں اور تھیٹروں کو ترقی دے کر مصر کی اقتصادی خودمختاری کی تحریک چلائی۔ تعلیم کا اس سے بھی بدتر حال تھا۔ اس میدان میں غیر ملکیوں نے مکمل اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔

فکری انقلاب کے لیے کام

ان حالات میں اخوان نے اپنی جامع اصلاحی تحریک کا آغاز کیا اور مصری معاشرے کی ہمہ پہلو اصلاح کا کام شروع کر دیا۔ ایک طرف انہوں نے تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنی کوششوں کا مرکز بنایا اور دوسری طرف عمال اور فلاحین کے طبقہ میں اپنی سرگرمیاں جاری کر دیں۔ اول الذکر طبقہ وطنیت، قومیت اور الحاد کے سیلاب میں تیزی سے بہا جا رہا تھا اور مؤخر الذکر بادشاہت اور استعمار کی چکی میں بری طرح پس رہا تھا اور اسے زندگی اور اس کے تقاضوں کا کوئی ہوش نہ رہا تھا۔

چنانچہ اخوان نے الحاد، دہریت، محدود وطنی قومیت اور مغرب پرستی کے خلاف آواز بلند کی۔ اخوان کے رہنماؤں نے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ سے ان مفاسد پر تنقید کی اور ان کے نقصانات کو واضح کیا۔ دین اور دنیا کی تقسیم کے نعرہ کی حقیقت کو بے نقاب کیا، اور اسلام کو مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے پیش کیا۔ مغربی تہذیب کے سیلاب کو روکا اور اس کے بجائے اسلامی تہذیب کا ذوق پیدا کیا۔ تعلیم گاہیں مغربی تہذیب اور مغربی نظریات کی اشاعت و ترویج کا سب سے بڑا مرکز تھیں۔ اخوان نے ان کی طرف توجہ کی، طلبہ اور اساتذہ کے اندر دین کی

روح پھونکی، اور فضول کاموں میں وقت صرف کرنے کے بجائے انہیں جہاد کی تربیت دی۔
فوٴاد الاول یونیورسٹی (موجودہ قاہرہ یونیورسٹی) مصر کی سب سے بڑی تعلیم گاہ شمار ہوتی ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ اس یونیورسٹی میں اسلام کا مذاق اڑایا جاتا تھا، مگر اخوان کی دعوت سے اس میں یہاں تک تبدیلی آئی کہ یونیورسٹی کے طلبہ کی یونین میں اخوان کے حامی طلبہ کو اکثریت حاصل ہوگئی بلکہ فلسطینی مصنف ڈاکٹر اسحاق موسیٰ الحسینی کے الفاظ میں:

'فوٴاد یونیورسٹی کی یونین پر اخوان چھاگئے تھے'۔ ۱۹۵۱ء میں اس یونیورسٹی کے انتخابات کی پوزیشن یہ تھی۔

ایگریکلچرل کالج	تمام نشستیں جن کی کل تعداد ۱۱ تھی، اخوانی طلبہ نے حاصل کرلیں۔
سائنس کالج	تمام نشستیں جن کی کل تعداد ۱۱ تھی، انہوں نے جیت لیں۔
انجینئرنگ کالج	۱۰ نشستوں میں سے سات
آرٹس کالج	۱۶ نشستوں میں سے گیارہ
لاء کالج	۱۰ نشستوں میں سے ۹
کامرس کالج	۱۳ میں سے ۹

لاء کالج ایک وقت میں وفد پارٹی کے حامی طلبہ کا گڑھ تھا، مگر اخوانی طلبہ نے وہاں دس نشستوں میں سے نو جیت لیں۔ جب اخوان نے فلسطین میں حصہ لینے کا اعلان کیا تو یہی طلبہ مجاہدین کی اگلی صفوں میں شامل ہوئے اور انہوں نے اخوان کے کیمپوں میں جاجاکر عسکری تربیت حاصل کی۔ برطانوی اخبارات نے بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ طلبہ پر جس تحریک کا سب سے زیادہ اثر تھا وہ اخوان المسلمون کی تحریک تھی۔

ان تعلیم گاہوں سے جب اسلام اور اسلامی نظام کی آواز اٹھی تو اس نے زندگی کے ہر شعبے پر اثر ڈالا، اہل علم وادب اس سے متاثر ہوئے۔ قانون کے حلقوں پر اس کا اثر پڑا، اور بیس پچیس سال کے اندر اندر مصری معاشرہ کی کایا پلٹ گئی۔ وہ لوگ جن کی تحریریں مغربی افکار ونظریات کی خدمت کے لیے وقف تھیں اور ان کی تنقید کی تان ہمیشہ اسلام پر آخر ٹوٹتی تھی۔ وہی لوگ ہوا کا رخ دیکھ کر بدل گئے اور ان کے الحاد نواز قلم اسلامی تاریخ وتمدن اور اسلامی نظام

حکومت و معاشرت کے ثنا خواں بن گئے۔ 'حیات محمدؐ' کا مصنف محمد حسین ہیکل مرحوم اس تبدیلی کی ایک واضح مثال ہے۔ اسلامی کتابوں کی مانگ اس حد تک بڑھ گئی کہ پیشہ ور مصنفوں کے لیے بھی اسلام ہی کا موضوع وقت کی ضرورت تھا۔

جو زبانیں دین و سیاست کی تفریق کا نعرہ بلند کر رہی تھیں اور اسلام پر کہنگی کا الزام عاید کر رہی تھیں اور جن کا مطمح نظر معبود وطن کی پرستش کے سوا کچھ نہ تھا انہی زبانوں سے یہ نغمہ بلند ہونے لگا کہ اسلام عقیدہ بھی ہے اور عبادت بھی، وطن بھی ہے اور نسل بھی، دین بھی ہے اور ریاست بھی، روحانیت بھی ہے اور عمل بھی، قرآن بھی ہے اور تلوار بھی۔' یہ دعوت قوم کے ہر طبقے تک پہنچی۔ شہروں سے نکل کر دیہاتوں میں اس نے فروغ پایا۔ قوم کا ہر فرد کسی نہ کسی حیثیت سے اس سے متاثر ہوا۔ مصر کا نامور ادیب احمد حسن زیات اسی دور کے بارے میں لکھتا ہے:

"صرف اخوان المسلمون ہی اس بگڑی ہوئی سوسائٹی کے اندر خالص اسلامی عقیدے اور سچے اسلامی ذہن کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ یہ لوگ دین کو ایک الگ تھلگ صومعہ نہیں سمجھتے اور نہ دنیا کو ایک آزاد اور مستقل بازار تصور کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں مسجد بازار کا ایک منارہ ہے، اور بازار مسجد کا ایک حصہ ہے۔ وعظ و تذکیر کے لیے ان کے پاس زبان ہے۔ اقتصادی میدان میں ان کے عملی منصوبے نافذ ہیں۔ جہاد کے لیے یہ اسلحہ کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ سیاست میں ان کا مستقل نظریہ ہے۔ ہر شہر کے اندر ان کے پیرو ہیں۔ ہر عرب ملک کے اندر ان کا نفوذ ہے۔ مصر و سوڈان، عراق و شام، یمن و حجاز اور الجزائر و مراکش میں آج جو قومی بے داری نظر آ رہی ہے یہ انہی کی دعوت کی شعاعیں ہیں اور وہ وقت قریب آ رہا ہے کہ یہ غیر معمولی اہمیت اختیار کر جائیں گے۔"

(الرسالہ۔ شمارہ ۷ رجنوری ۱۹۵۲ء)

فلسطین کے مشہور محقق ڈاکٹر اسحاق موسیٰ الحسینی تحریک اخوان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"سرکاری علماء محض زبانی جمع خرچ کر رہے تھے۔ صوفیاء کا گروہ تنگ نظر روحانیت

پرستوں پر مشتمل تھا۔ شبان المسلمین کی تنظیم محض اصلاحی انجمن تھی۔ مصر جس بحران میں مبتلا تھا ہر گروہ اس کا جزوی علاج کر رہا تھا۔ آخر اخوان المسلمون کی تحریک برپا ہوئی اور اس نے خلا کو پر کر دیا۔"

اس فکری اور عملی انقلاب کے لیے اخوان نے کیا وسائل اختیار کیے۔ دوسرے لفظوں میں اخوان نے مصری معاشرے کے لیے کیا خدمات سرانجام دیں ان کا مختصر بیان یہ ہے:

امام حسن البنّا نے محمود پاشا کو جو خط لکھا تھا اس میں معاشرے کی تمام خرابیوں کی نشان دہی کرنے کے بعد واضح کر دیا تھا کہ ان خرابیوں کے لیے متعدد اصلاحی تدابیر اختیار کی جائیں گی۔ ان میں بنیادی تدبیریں یہ ہوں گی کہ تعلیم و تربیت کے سرچشمے درست کیے جائیں، قانون کی اصلاح کی جائے، منکرات کا سد باب کیا جائے اور اوقات فرصت کو مفید کاموں میں صرف کیا جائے۔' چنانچہ اخوان نے امام حسن البنا کے بیان کردہ انہی خطوط پر اصلاح کا کام کرنا شروع کر دیا۔ اخوان کی سرگرمیوں کا سب سے پہلا مظاہرہ وعظ و تذکیر اور فکری اور اخلاقی اصلاح کی شکل میں ہوا تا کہ 'پیدائشی مسلمانوں کو شعوری مسلمان بنایا جائے۔' مزدوروں اور غریبوں کے اندر یہ کام خاص طور پر پھیلا اور 'یہ لوگ جوق در جوق اس دعوت کی طرف لپک پڑے۔ اس دعوت میں انہیں بڑی راحت اور سکون نصیب ہوا۔' اخوان کے یہ تربیتی وعظ چند بنیادوں پر قائم تھے: مثلاً وہ 'ناخواندہ آبادیوں کو نماز اور روزے کی تعلیم دیتے اور قرآن کریم کی چند سورتیں یاد کراتے، اسلامی دعوت کی حقیقت بیان کرتے اور بتاتے کہ اسلام محض پوجا پاٹ کا نام نہیں ہے بلکہ اسلامی زندگی کا مکمل ضابطہ ہے۔ لوگوں کو آداب و اخلاق کا عادی بناتے، شریعت کے اوامر ونواہی انہیں سمجھاتے اور ان کی پابندی کرواتے۔ مادہ پرستی کے سیلاب کو روکتے اور یہ بتاتے کہ مشرق کی جدید بے داری میں اسلام ہی کو زندگی کے ہر معاملے میں رہنما ہونا چاہیے۔ زندگی کے معاملات میں لوگوں کے ساتھ عملی تعاون کر کے ان کے سامنے مثالی زندگی کا نمونہ رکھتے۔

شروع شروع میں تو ان کے وعظ اور درس مسجدوں میں ہوتے تھے، لیکن جب مختلف شہروں میں ان کی شاخیں کھل گئیں تو 'انہوں نے اپنی ہر شاخ کو درس گاہ بنا دیا۔ جہاں عوام کو اسلامی طرز زندگی کی تربیت دی جاتی تھی۔' یہ تربیتی مرحلہ کئی سال تک جاری رہا۔

اربابِ اقتدار کو اسلامی دعوت

اپنی دعوت کے لیے دوسرا وسیلہ جو انہوں نے اختیار کیا وہ ملک کے ذمہ دار اصحاب کو دعوتی خطوط بھیجنے کا تھا۔ محمد محمود پاشا کے زمانے سے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ محمد محمود پاشا کو طویل خط لکھا، جس میں اسے اسلامی نظام کے احیا کی دعوت دی اور چند اصلاحی اقدامات کی طرف توجہ دلائی، مثلاً یہ کہ مخلوط اجتماعات کو ختم کیا جائے جن میں عورتیں اور مرد مل کر رقص اور شراب نوشی کرتے ہیں خواہ یہ اجتماعات سرکاری ہوں یا غیر سرکاری۔ وزراء اور حکام کو جوئے اور ریس کے کلبوں اور تفریحی تقریبوں میں شرکت اور اخبارات میں اپنی بیگمات کی تصاویر شائع کرانے سے روکا جائے، نماز کے اوقات میں دفتروں میں چھٹی ہو، اور سب لوگ نماز ادا کریں، حکام کے گھروں میں اسلامی تعلیم کا غلبہ ہو یعنی یہ لوگ انگریزی یا فرنچ کے بجائے گفتگو میں عربی زبان استعمال کریں اور بچوں کے لیے غیر ملکی مربیات کے بجائے مصری مربیات رکھیں، بدکار سرکاری ملازموں کے خلاف سخت انضباطی کارروائی کی جائے۔

اس خط میں محمد محمود پاشا کو قانونی اصلاح کی دعوت بھی دی گئی اور قانون کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کا مطالبہ کیا گیا اور ایک ایسی کمیٹی بنانے کی تجویز پیش کی گئی جو مروجہ قانون کو اسلامی قانون کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لیے غور و فکر کرے۔ ایک خط شاہ مصر، نحاس پاشا، اور عرب سربراہوں کو اخوان نے لکھا جس کا آخری جملہ یہ ہے کہ 'جو حکومت یا ادارہ ملت اسلامیہ کو صحیح اسلامی ترقی سے ہم کنار کرے گا، ہم اپنے تمام وسائل اس کے تصرف میں دینے کے لیے تیار ہیں۔ ہم اس کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے اور کسی قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔' عمر طوسن اور محمد علی توفیق کو خطوط لکھے اور ملک میں سیاسی پارٹیوں نے جو افراتفری برپا کر رکھی تھی، اس کی طرف توجہ دلائی اور قوم کو متحد ہونے کی دعوت دی۔ وزیر قانون احمد خشبہ پاشا کو خط لکھا اور اسلامی قانون کی تنفیذ کا اس سے مطالبہ کیا۔ نحاش پاشا کو خط لکھا کہ مسلمان ملکوں کے ساتھ مصر کے دوستانہ تعلقات قائم کیے جائیں اور اتحاد اسلامی اور اسلامی خلافت کے لیے راستہ ہموار کیا جائے۔ ایک اور خط میں نحاس پاشا سے مطالبہ کیا کہ وفد پارٹی اپنے منشور کو اسلامی

اصولوں کے مطابق مرتب کرے۔ اخوان کے ان تمام رسائل کا مرکزی نظریہ یہ ہے کہ ملک کے اندر اسلامی حکومت قائم کی جائے اور اسلامی اصولوں کے مطابق معاشرے کی ہمہ گیر اصلاح کی جائے۔ ان رسائل کی عام اشاعت کے لیے اخوان نے اپنے مرکزی دفتر میں ایک کمیٹی تشکیل کر رکھی تھی جو ان رسائل کی وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت کا انتظام کرتی تھی۔

صحافت کے میدان میں

صحافت کے میدان میں بھی اخوان نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ مصری صحافت محب الدین الخطیب کے الفاظ میں 'ہالی ووڈ' کی صحافت میں بدل چکی تھی۔ بیسویں صدی کے اوائل میں تو چند اخبارات ایسے ملتے ہیں جو اسلام کا نام لیتے رہے ہیں، مثلاً شیخ علی یوسف کا اخبار الموید، مصطفیٰ کامل کا اللواء، الرافعی کا الاخبار اور شیخ عبدالعزیز جاویش کا العلم۔ مگر اس کے بعد مصری صحافت پر خالص جاہلیت کا قبضہ تھا۔ آخر کار اخوان نے آ کر اس بت خانے میں توحید کی اذان تھی۔ شروع شروع میں تو انہوں نے اپنے مخصوص ماہنامے نکالے۔ مگر ۱۹۴۶ء میں 'الاخوان المسلمون' کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا۔ مصر اور دوسرے عرب ممالک میں اسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، اس نے اپنے جرأت مندانہ اداریوں اور بے لاگ تنقیدوں کے ذریعہ سے سرکاری حلقوں میں تہلکہ برپا کر دیا۔ انگریزی استعمار اس کی مقبولیت کو دیکھ کر دانت پیسنے لگا۔ چنانچہ کئی مرتبہ اسے بند کیا گیا اور خاص طور پر جب مصر اور برطانیہ کی گفت وشنید ہوتی تو اس اخبار کی بندش کے بعد اس گفت وشنید کا آغاز کیا جاتا۔ اس کے علاوہ اخوان کی طرف سے کئی ہفت روزہ اور ماہانہ پرچے نکالے گئے، مثلاً ماہنامہ 'المنار'، ہفت روزہ 'التعارف'، ہفت روزہ 'الشعاع'، ہفت روزہ 'النذیر'، ہفت روزہ 'الشہاب'۔ ۱۹۴۸ء کی ابتلا کے بعد انہوں نے المباحث، الدعوۃ اور المسلمون جاری کیے۔ اخوان نے اپنی زوردار صحافت کے ذریعہ سے مصر کی صحافتی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ لوگ فحش قصوں اور سنسنی خیز خبروں میں دل چسپی لینے کے بجائے ٹھوس مسائل میں دل چسپی لینے لگے۔

تعلیم کے میدان میں

تعلیم کے میدان میں اخوان نے جو خدمات سرانجام دیں وہ ان کی تمام سرگرمیوں میں سرفہرست رکھی جاسکتی ہیں۔ اخوان نے متعدد موقعوں پر حکومت کو اسلامی نظام تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔ انہوں نے تعلیم کے چار مقاصد بیان کیے:

۱- صالح نظریہ کی اشاعت

۲- اخلاقِ فاضلہ کا فروغ

۳- ماضی کے ساتھ وابستگی

۴- علمی بنیادوں پر مختلف پہلوؤں میں ماہرین کی تیاری۔

اخوان کی تعلیمی اسکیم کا خلاصہ یہ ہے:

اولاً، مستقل اور پائیدار پالیسی وضع کی جائے جو تعلیم کا معیار بلند کرے اور ان تمام اقسام میں وحدت پیدا کرے جو اغراض ومقاصد کے لحاظ سے ہم آہنگ ہیں۔ قوم کی مختلف ثقافتوں کو ایک دوسرے کے قریب کرے اور تعلیم کے ابتدائی مراحل کو اخلاقی تربیت اور پاکیزہ وطنی روح کی تخلیق کے لیے مخصوص کرے۔

ثانیاً، اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب وتمدن کی تاریخ پر خصوصی توجہ دی جائے۔

ثالثاً، دینی تعلیم کو تمام تعلیمی مراحل میں بنیادی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے۔

رابعاً، لڑکیوں کے تعلیمی نظام اور نصاب پر نظر ثانی کی جائے اور ہر ہر مرحلے پر لڑکوں اور لڑکیوں کے نصاب میں فرق کیا جائے۔

خامساً، ہر ایسے شخص کو تعلیم گاہوں سے دور رکھا جائے جو فساد عقیدہ اور فساد اخلاق میں مبتلا ہو۔

سادساً، سائنسی علوم پر پوری پوری توجہ دی جائے اور مغربی فلسفہ اور مغربی سائنس کا امتیاز واضح کردیا جائے۔

پہلے تو اخوان نے اپنی تعلیمی اسکیموں کو حکومتوں تک پہنچانے پر اکتفا کیا۔ مگر بعد

میں انہوں نے اپنی استطاعت کی حد تک انہیں خود نافذ کرنے کی کوشش کی۔اس غرض کے لیے انہوں نے ایک بورڈ کی تشکیل کی اور لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ابتدائی اور ثانوی مدارس اور فنی درس گاہیں قائم کیں۔ ناخواندگی کو ختم کرنے اور عوام کی دینی معلومات بڑھانے کے لیے انہوں نے مدارس کھولے، حفظ قرآن کی درس گاہیں جاری کیں، مزدوروں اور فلاحین کے لیے شبینہ مدارس جاری کیے، امتحانوں میں ناکام ہونے والے طلبہ کے لیے کئی مرکز جاری کیے جن میں یونیورسٹی کے زیر اہتمام کوچنگ کلاسوں کا انتظام تھا۔ کمسن بچے جو مزدوری کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جاتے تھے، ان کی تعلیم وتربیت کے لیے شعبے قائم کیے، لڑکوں کی تعلیم کے لیے پرائیویٹ اسکول جاری کیے، مدارس امہات المومنین کے نام سے لڑکیوں کی تعلیم کا الگ انتظام کیا۔ صنعتی تعلیم کے مراکز قائم کیے۔

الغرض اخوان نے وسیع پیمانے پر تعلیمی مہم کو نافذ کیا۔ ملک بھر میں جہاں جہاں اخوان کی شاخیں تھیں، ان میں کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس کے ماتحت کوئی مدرسہ نہ ہو۔ ان مدارس کی طرف عوام الناس کا جس قدر رجحان ہوتا تھا اس کا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ تعلیم بالغان کے ایک مرکز میں ۱۷۳ مزدور بیک وقت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان مدارس کی پوری تعداد کا شمار مشکل ہے۔ صرف قاہرہ میں ۱۳ تعلیم گاہیں تھیں جن میں ۱۱ کالج تھے۔

خدمتِ خلق

خدمت خلق کے میدان میں کئی پہلوؤں سے اخوان نے حصہ لیا۔ اس کام کو منظم کرنے کے لیے انہوں نے 'خدمت خلق' کے نام سے ایک مستقل شعبہ قائم کیا۔ یہ کام اخوان نے تحریک کے ابتدائی مرحلہ میں شروع کر دیا تھا۔ نقراشی پاشا کے زمانے میں جب اخوان کو خلاف قانون قرار دیا گیا، اس وقت مصر کے اندر اخوان کے قائم کردہ خدمت خلق کے پانچ سو مراکز تھے جن کی نگرانی ۱۹۴۵ء کے قانون کی رو سے معاشرتی بہبود کی وزارت کرتی تھی۔ یہ مراکز مستحقین کی اشیاء اور نقدی سے امداد کرتے۔ زکوٰۃ وصدقات اور چرم قربانی کی آمدنی سے حاجت مندوں کی ضروریات فراہم کرتے۔ بے روزگاروں کے لیے روزگار مہیا کرتے اور بعض اوقات تھوڑے

بہت سرمائے سے ان کو کاروبار پر لگاتے، بیماروں کا مفت علاج کرتے، غرباء اور فقرا کی مختلف طریقوں سے مدد کی جاتی اور دیہاتی پنچایتوں کے ذریعہ سے مقامی جھگڑوں کا تصفیہ کرایا جاتا۔

نحاس پاشا کے دور میں الاخوان جب بحال کر دیئے گئے تو انہوں نے دوسرے پروگراموں کے ساتھ خدمتِ خلق کا ایک بھاری منصوبہ تیار کیا۔ اس کا آغاز قاہرہ میں ایک مسجد، ایک شفاخانہ، ایک لائبریری اور ایک لیکچر ہال کی تاسیس سے ہوا، اسی منصوبہ کے تحت ان تمام مساجد کی دیکھ بھال کا انتظام کیا گیا جو غیر آباد پڑی ہوتی تھیں۔ صرف قاہرہ میں ۲۵ مساجد اخوان کے زیرانتظام تھیں۔ ان میں سے بعض مساجد کے تمام مصارف وہ خود برداشت کرتے تھے اور بعض مساجد میں وہ صرف امامت اور خطابت کی فی سبیل اللہ خدمت انجام دیتے تھے۔

مزدوروں اور کاشت کاروں کی خدمت کے لیے اخوان کے مرکز میں مستقل شعبہ تھا جو ان کی مشکلات اور مسائل حل کرتا تھا۔ ایک لیبر سینٹر کھول رکھا تھا جس میں مزدوروں کو ان کے حقوق و فرائض اور لیبر قوانین کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس شعبے میں قوانین عمال کے ماہر وکلاء کی ایک ٹیم کام کرتی تھی۔ اسی طرح زراعت کے میدان میں بھی اخوان کی عظیم خدمات تھیں۔ ان کا شعبۂ زراعت کاشت کاروں کو کاشت کے جدید طریقوں سے آگاہ کرتا اور زرعی پیداوار کو آفات ارضی و سماوی سے محفوظ کرنے کے طریقے انہیں سکھاتا تھا۔ اخوان کو یہ تمام کام اس وجہ سے کرنے پڑتے تھے کہ حکومت کی طرف سے ان امور پر قطعاً کوئی توجہ نہیں دی جا رہی تھی اور دین کی دعوت کے ساتھ یہ خدمات انجام دینے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ملک کے تمام طبقے اس دینی تحریک کا وہ گہرا اور وسیع اثر قبول کر رہے تھے جو خالی خولی وعظوں سے وہ قبول نہ کر سکتے تھے۔

معاشرتی خدمات کے لیے بھی ایک مستقل بورڈ کام کرتا تھا جو معاشرتی امور کے ماہرین اور پروفیسروں پر مشتمل تھا اور وہ معاشرتی بہبود کے منصوبوں کی تنفیذ اور نگرانی کرتا تھا۔ اخوان اپنے آخری ایام میں قاہرہ کے اس علاقے میں جسے قدیم مصر کہا جاتا ہے، ایک 'نمونہ کا شہر' تعمیر کرنے کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنا رہے تھے۔ اس غرض کے لیے انہوں نے زمین خرید لی تھی اور یہاں وہ متوسط اور کم آمدنی رکھنے والے لوگوں کے لیے ایک صاف ستھری بستی بسانا چاہتے تھے۔

اقتصادی میدان میں

اقتصادی پہلو میں اخوان کی خدمات تمام پہلوؤں پر حاوی تھیں۔قومی اقتصادیات کو مضبوط کرنے کے لیے انہوں نے متعدد کمپنیاں قائم کیں۔جن کا منافع مضاربت کے اصولوں پر تقسیم ہوتا تھااور اس منافع میں مزدوروں کو بھی شریک کیا جاتا تھا۔

۱- **شرکت معاملات اسلامیہ:** چار ہزار پونڈ کے سرمائے سے ۱۹۳۹ء میں اس کا اجرا ہوا۔اخوان سے باہر کے لوگوں نے بھی اس میں بڑی دل چسپی لی اور چار ہزار پونڈ سے ترقی کر کے اس کا اصل سرمایہ بیس ہزار پونڈ تک پہنچ گیا۔اس کمپنی نے کئی عوامی بسیں جاری کیں۔تیل سے جلنے والے چولہے بنانے کا کارخانہ قائم کیا۔جن کی مقبولیت نہ صرف مصر کے اندر بلکہ مصر کے باہر بھی ہوئی۔اس شرکت نے سیمنٹ کی ایک فیکٹری بھی قائم کی۔

۲- **شرکت عربیہ:** ۱۹۴۷ء میں ساٹھ ہزار پونڈ کے سرمائے سے اس کا آغاز ہوا۔یہ کمپنی ہزاروں پونڈ کی مالیت کے سنگ تراشی کے جدید ترین آلات درآمد کرتی تھی۔ جب جماعت کو خلاف قانون قرار دیا گیا تو اس کے ذخائر لاوارث پڑے رہے اور ہزاروں پونڈ کا خسارہ ہوا۔

۳- **شرکت پارچہ بافی:** ۱۹۴۸ء میں ۸ ہزار پونڈ سے اس کمپنی نے کپڑے بنانے کے کارخانے کا افتتاح کیا، اس کارخانے میں ۶۰ کاریگر کام کرتے تھے۔یہ کارخانہ بہترین پاپلین، ریشمی کپڑا، گبرڈین اور دوسرے بہترین پارچات تیار کرتا تھا جو بازار میں نسبتاً کم داموں پر فروخت ہوتے تھے۔

۴- **شرکت مطبعہ اسلامیہ:** ۷۰ ہزار پونڈ سے اس کا آغاز ہوا۔

۵- **شرکت جریدۂ یومیہ:** ۵ ہزار پونڈ اس کا ابتدائی سرمایہ تھا۔۵ رمئی ۱۹۴۶ء کو اس کی طرف سے ایک روزنامہ کا اجرا ہوا جس نے جنگ آزادی اور اسلامی تہذیب وثقافت کی ترویج میں قابل قدر کارنامے انجام دیئے۔

۶- **شرکتِ تجارت واعمال ہندسہ:** ۱۴؍ہزار پونڈ سے یہ کمپنی شروع ہوئی۔ انجینئرنگ اور تعمیرات میں اس نے بڑی شہرت حاصل کی۔

۷- **شرکت تجاریہ:** اس کا مرکز قاہرہ میں تھا اور ملک کے مختلف حصوں میں اس کی شاخیں تھیں۔ یہ امداد باہمی کے اصول پر کام کرتی تھی، گھریلو ضروریات سستے داموں میں فراہم کرتی تھی۔

۸- **ایڈورٹائزنگ کمپنی:** یہی حال اخوان کی طبی خدمات کا ہے۔ صرف قاہرہ میں ۱۷ شفاخانے تھے اور ایک اسپتال تھا، جس میں مریضوں کو داخل کیا جاتا تھا۔ ان شفاخانوں سے لاکھوں افراد مفت علاج کی سہولتیں حاصل کرتے تھے۔ مختلف امراض کے ماہر اطبا ان شفاخانوں میں بلا معاوضہ یا قلیل معاوضہ پر خدمات انجام دیتے تھے۔

یہ ہے مختصر بیان دنیائے اسلام کی اس عظیم دینی تحریک کی خدمات کا جسے مٹانے اور تباہ کرنے کے لیے مصر کے صدر ناصر صاحب ۱۲ سال سے اپنی تمام قوتیں صرف کر رہے تھے، اور ان سے بڑھ کر مغربی اور اشترا کی استعمار اور اسرائیل جس کے درپے آزار ہے۔

مصر اور اخوان

(یہ مضمون ستمبر ۱۹۶۶ء کو سید قطبؒ کی شہادت کے موقع پر قلم بند کیا گیا تھا اس میں مصر کے جن حالات کا ذکر ہے وہ اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔)

ناصر اور اخوان کی کشمکش، جو ۱۹۵۴ء سے چلی آرہی ہے، اب پھر انتہائی افسوسناک مرحلے میں داخل ہوگئی ہے۔ ۱۹۵۴ء میں اخوان کے چھ سرکردہ رہنما تختہ دار پر لٹکا دیئے گئے تھے اور اب دوبارہ تین افراد کو پھانسی دے دی گئی ہے، جن میں نمایاں شخصیت سید قطبؒ کی ہے۔ ان پر الزامات کی لمبی فہرست ہے، لیکن سب سے بڑا اور ہولناک الزام یہ ہے کہ وہ صدر ناصر کو قتل کرنا چاہتے تھے اور طاقت کے بل پر ملک میں خونی انقلاب برپا کرنے کی اسکیم تیار کررہے تھے۔ ان الزامات کی حقیقت کیا ہے اور اخوان کی طرف سے ان الزامات کا کیا جواب دیا گیا ہے، ان دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالنے سے پہلے ان اسباب کا جائزہ لینا ضروری ہے جو درحقیقت اس کشمکش کی تہہ میں کام کررہے ہیں۔

پچھلے چند سالوں میں مصری حکومت نے اپنی خارجہ سیاست کو جس ڈھب پر چلایا ہے، مصر کے سنجیدہ اور محب وطن طبقے اس سے خوش نہیں ہیں بلکہ ناخوشی سخت غیظ وغضب اور اضطراب وہیجان میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔ مصری قوم اسلام کی نام لیوا ہے، اسلامی تاریخ سے اس کا گہرا رشتہ ہے، اسلامی علوم کا صدیوں سے وہاں چرچا ہے۔ دنیائے اسلام کے ساتھ ہمیشہ اس کے روابط رہے ہیں، ماضی قریب میں اس کے اندر مصلحین اور اہل علم ودعوت کی طاقت ور

جماعت گزر چکی ہے۔ شہری آبادی کے مخصوص حلقوں کو چھوڑ کر عام آبادی، جس میں اکثریت دیہاتی فلاحین کی ہے اسلام سے شدید وابستگی رکھتی ہے اور اس کی معاشرتی زندگی میں اسلامی روایات کا گہرا اثر پایا جاتا ہے۔ اس مسلمان قوم کو جس خارجہ سیاست سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے وہ یہ ہے:

جہاں تک دنیائے اسلام کے مسائل ومشکلات کا تعلق ہے مصر کی خارجہ سیاست، ان کو اسلام یا مسلمانوں کے مسائل کی حیثیت سے نہیں دیکھتی بلکہ ان کیمپوں کی مصلحت کی عینک سے دیکھتی ہے جن کی حاشیہ برداری کا اسے شرف حاصل ہے، یا پھر وہ مصری حکام کی ذاتی اغراض ومصالح کے تابع ہے۔ اس غلط نگاہی نے مصر کی سیاست خارجہ کو بے اصول اور ابن الوقت بنا کر رکھ دیا ہے۔

ایک طرف مصری حکومت اسرائیل کی دشمنی کو اپنا اولین وآخرین مقصد قرار دیتی ہے، مگر دوسری طرف ان ممالک سے اس کی گاڑھی چھنتی ہے جنہوں نے نہ صرف اسرائیل کو تسلیم کر رکھا ہے بلکہ اس کی ترقی وتوسیع کے لیے کوشاں ہیں۔ یوگوسلاویہ سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ حبشہ کے سہیل سلاسی سے انتہائی دوستانہ ربط ضبط ہے، حالاں کہ یہ شخص مسلمانوں کا قاتل ہے اور اسرائیل کے لیے افریقہ کی زمین ہموار کر رہا ہے۔ اریٹیریا کی مسلم آبادیوں میں اس نے کئی اسرائیلی کمپنیوں کو کاروبار کی اجازت دے رکھی ہے۔ ایک مرتبہ امریکی کانگریس میں اس نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

’’میں آئندہ بیس سال میں ان تمام حبشی مسلمانوں کو عیسائی بنا دوں گا جو میری مملکت میں رہتے ہیں۔‘‘

مکاریوس مصری حکومت کی نگاہ میں اس قدر عزیز ہے کہ ترکی کے خلاف اسے جنگی اسلحہ تک کی امداد دی گئی۔ اور اب حال ہی میں نقوسیا سے اعلان ہوا ہے کہ اگر ترکی نے قبرص پر حملہ کیا تو اس کی جوابی کارروائی کے لیے مصر کے راکٹ مدد کے لیے پہنچیں گے۔ مکاریوس کی شخصیت کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے، اسی نے قبرصی ترکوں کو بے دردی کے ساتھ قتل کیا ہے اور یہ درحقیقت آرتھوڈوکس کلیسا کی آڑ میں برطانوی استعمار کی خدمت کر رہا ہے۔ مکاریوس نے جب مصر کا دورہ

کیا تھا تو اس نے صدر ناصر کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

''موصوف ہمارے ساتھ بڑی ملنساری سے پیش آئے، حتیٰ کہ گفتگو میں انہوں نے فلسطین کے مسئلہ کا ذکر تک نہیں کیا۔''

مصری حکومت اور مصری حکم رانوں کے نامناسب تصرفات نے شام کو ہمیشہ کے لیے تاریک مستقبل کے حوالے کر دیا۔شام نے مصر کے ساتھ جو جذبہ انگیز اتحاد کیا تھا اس کا تقاضا تھا کہ شامیوں کی اس عظیم تاریخی قربانی کی قدر کی جاتی اور جن داخلی مشکلات کی وجہ سے انہوں نے مصر کے دامن میں پناہ لی تھی انہیں حل کرنے میں مدد دی جاتی۔ یہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ شام نے کمیونسٹوں کی دراندازیوں سے خائف ہوکر مصر کے ساتھ الحاق کیا تھا۔مگر مصری حکام نے شام میں جس لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیا، اس کی وجہ سے شام کو مصر سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی اور اب اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکا ہوا ہے۔اس سے پہلے مصر سوڈان کو ضائع کر چکا ہے۔وادیِ نیل کے اتحاد کی کمند سرے بام آ کر ٹوٹ گئی۔نجیب کے ساتھ مصری حکام کا ظالمانہ سلوک سوڈانی عوام کو مصر سے متنفر کرنے کا سبب بن گیا اور اب مصری حکومت اپنی سابق غلطیوں کی تلافی کے بجائے مزید غلطیوں کا ارتکاب کر رہی ہے۔چوں کہ سوڈان کی موجودہ حکومت مصر سے اتحاد کے حق میں نہیں ہے، اس لیے مصری حکام اسے زک دینے کے لیے جنوبی سوڈان کے کمیونسٹوں کو اس کے خلاف بھڑکا رہے ہیں۔حکومت سوڈان اس مصری اسلحہ کا انکشاف بھی کر چکی ہے جو مصر سے جنوبی سوڈان میں داخل ہوا ہے۔

اب یمن کے مسئلے کو لیجیے۔حقیقت یہ ہے کہ یمن کا مسئلہ مصری حکومت کی ناروا سیاست کے باعث نہ صرف مصر کے لیے بدنامی کا باعث بن گیا ہے۔ بلکہ اسرائیل ریڈیو کے الفاظ میں پورے عالم اسلام کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔تین سال سے مصری فوجیں یمن میں بیٹھی ہیں۔ ان تین سالوں میں یمنی قبائل پر انہوں نے جو مظالم توڑے ہیں ان کی تفصیل الگ روداد کی محتاج ہے۔ان تین سالوں میں مصر اپنی فوجوں پر ایک عرب پونڈ صرف کر چکا ہے اور ابھی تک ۵ لاکھ

پونڈ روزانہ صرف ہو رہے ہیں۔ ایک لاکھ کے لگ بھگ افراد جنگ کی بھینٹ چڑھے ہیں، جن میں دس ہزار سے زائد مصری فوجی اور باقی یمنی باشندے ہیں۔ ایک طرف عرب قومیت کے دعوے اور دوسری طرف عرب بھائیوں کا یہ قتل عام ہر محب وطن کے لیے یہ معاملہ تشویش ناک بن چکا ہے۔ مصر کے وہ لوگ خاص طور پر اس جنگ سے سخت بے زار ہیں جن کے سپوت صنعاء اور تعز کی پہاڑیوں میں لقمہ اجل ہوئے ہیں۔ مصری حکومت لاکھ یہ پروپیگنڈا کرے کہ یمن کی جنگ میں مرنے والے 'شہید حریت' ہیں مگر ایک مسلمان کا ضمیر اس بات پر کیسے مطمئن ہوسکتا ہے کہ مسلمان، مسلمان کا گلا بھی کاٹے اور شہادت کا درجہ بھی پائے۔ اس صورت حال سے پوری عرب دنیا، یمنی عوام اور مصری قوم سراسیمگی میں مبتلا ہے۔ خود مصری فوج بھی اس سے اکتا چکی ہے۔ خود صدر ناصر کے ایک رفیق عبداللطیف بغدادی اور کمال الدین حسین جوان کے دست راست شمار ہوتے تھے، اس جنگ سے بے زاری کا اظہار کر چکے ہیں۔ اور اسی پاداش میں عتاب کا شکار ہو چکے ہیں۔

مسئلہ فلسطین کے ساتھ مصر کا چولی دامن کا تعلق ہے۔ یہ مسئلہ اب تک جن مراحل سے گزرا ہے ان کے پیش نظر یہ مسئلہ ہر امکانی حل سے دور ہوتا چلا جارہا ہے اور اب عرب عوام یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ مصری حکومت اس مسئلہ کے صحیح حل کے لیے کوئی مخلصانہ کوشش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی جب کہ اسرائیل کا نفوذ روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔ اولاً مصری حکومت ان ممالک سے دوستانہ تعلقات قائم کیے ہوئے ہے جو نہ صرف اسرائیل کو تسلیم کرتے ہیں، بلکہ اسرائیل کے قدم مضبوط کر رہے ہیں۔ دوسری طرف جو ملک اسرائیل کو کچلنے کے لیے مدد دے سکتے تھے ان سب سے مصری حکام نے سرد مہری کا رویہ اختیار کر رکھا ہے بلکہ کھلی کھلی مخاصمت تک نوبت پہنچادی ہے۔ مسئلہ فلسطین کے بارے میں مصری سیاست کی نمایاں غلطیاں یہ ہیں کہ اس نے غزہ پر بین الاقوامی ایمرجنسی فورس کا تسلط تسلیم کر کے اس علاقے کو عملاً اسرائیل کی تگ وتاز کے لیے کھول دیا ہے۔ یہی وہ علاقہ تھا جہاں سے عرب رضا کار اسرائیل میں گھس کر گوریلا وار جاری رکھ سکتے تھے۔ اب بین الاقوامی پولیس عرب رضا کاروں کو اس علاقے میں داخل نہیں ہونے دیتی اور اسرائیل اطمینان کے ساتھ اس علاقہ میں اپنے اقتصادی منصوبے روبہ کار لا رہا ہے۔ اسی طرح خلیج عقبہ پر بھی بین الاقوامی کنٹرول کو حکومت مصر نے تسلیم کر کے یہ خلیج عملاً یہودیوں کے

ہاتھ میں دے دی ہے۔ بین الاقوامی کنٹرول سے پہلے یہودیوں کو اس خلیج میں گھسنے کی جرأت نہیں ہوسکتی تھی۔ مگر اب اس نے ایلات کے مقام پر عظیم الشان بندرگاہ تعمیر کرلی ہے اور اس کے جہاز بڑے طنطنے کے ساتھ افریقی ممالک میں آجارہے ہیں۔ اس خلیج کے کھل جانے سے وہ ناکہ بندی ختم ہوگئی ہے جس کی وجہ سے اسرائیل سخت پریشانی میں مبتلا تھا اور اس کی اقتصادی حالت شدید بحران کا شکار ہورہی تھی۔ اب وہ بے کھٹکے افریقی ممالک میں اپنی تجارتی منڈیاں قائم کررہا ہے اور افریقی ممالک کی کثیر تعداد بھی اس کے دام فریب میں مبتلا ہوتی جارہی ہے۔

یہ تمام تغیرات مصری حکومت کی آنکھوں کے سامنے اس کی اپنی غلطیوں کی وجہ سے وجود میں آرہے ہیں جنہیں دیکھ کر عرب عوام کے سینوں میں آگ کے تنور بھڑک رہے ہیں۔ مگر مصری حکومت ان کی تلافی کے لیے کوئی ٹھوس اقدام کرنے کے بجائے اب یہ اعلان کررہی ہے کہ 'فلسطین کے مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ عرب ممالک کی سوشلسٹ اور انقلاب پسند حکومتیں متحد ہوجائیں۔' یعنی دنیا کے مسلمان اس پر متحد نہ ہوں، تمام عرب بھی اس پر متحد نہ ہوں، صرف وہ عرب ملک متحد ہوں جنہوں نے سوشلزم اختیار کیا ہے! فلسطین کی تنظیم آزادی کے ایک اجلاس میں صدر ناصر نے تقریر کرتے ہوئے کہا ہے:

> ''میں صراحت سے کہوں گا کہ ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم اپنا دفاع بھی کرسکیں کجا کہ ہم حملہ کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔ دریائے اردن کا رخ موڑنے کے مسئلے کو بھی سردست ملتوی کردینا چاہیے۔''

عبدالحکیم عامر نے دورۂ فرانس کے دوران پیرس میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

> ''متحدہ عرب جمہوریہ اسرائیل سے جنگ کی خواہش رکھتی ہے اور نہ ارادہ۔''

اسی دورے میں مصری حکومت نے ہزاروں ڈالر فرانس سے قرض لیا۔ مصر کے ایک فوجی افسر بریگیڈیر محمد فوزی نے اپنی کتاب 'صیہونیت اور اسرائیل' میں صفحہ ۱۳۱ پر لکھا ہے کہ:

> ''بعض لوگ مسئلہ فلسطین کا حل جنگ قرار دیتے ہیں، یہ بالکل غیر معقول بات ہے۔ یہ حل اقوام متحدہ کی ان قراردادوں کے منافی ہے جن پر تمام عرب ممالک دستخط کرچکے ہیں۔ نیز یہ حل پرامن بقائے باہم کے اصول کے بھی خلاف ہے جس کا

مصر علم بردار ہے۔''

یہ کتاب قاہرہ میں ملٹری ٹریننگ کالج کے کورس میں شامل ہے۔کیا یہ بھی کوئی معمہ ہے جسے مصر کے مسلم عوام نہیں سمجھ سکتے کہ مصری حکومت یمن میں ایک ارب پونڈ خرچ کرسکتی ہے، ۶۰ ہزار فوج استعمال کرسکتی ہے ،مگر مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کے لیے اس کے پاس ذرائع نہیں ہیں۔

دنیائے عرب بلکہ دنیائے اسلام میں اس وقت جو موضوع زبان زد خاص وعام ہے وہ یہ ہے 'اسلامی اتحاد'۔عرب سربراہوں کی کانفرنس اپنے گزشتہ اجلاس میں یہ قرارداد پاس کرچکی ہے کہ مسئلۂ فلسطین کو صرف عربوں تک محدود رکھنے کے بجائے اسے تمام مسلمانوں کا مسئلہ قرار دینا چاہیے اوراس کے لیے مسلمان حکومتوں کا تعاون حاصل کرنا چاہیے۔صومالی لینڈ کے سربراہ یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ مسلمان ملکوں کے درمیان بعض مسائل پر اتحاد ہونا چاہیے، اوراس غرض کے لیے مسلمان سربراہوں کی کانفرنس منعقد ہونی چاہیے۔سعودی عرب کے شاہ فیصل اس تجویز کی تائید کرتے ہیں اور عملاً اس دعوت کو لے کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ۔اب تقاضائے عقل وانصاف یہ تھا کہ مصری حکومت بڑھ کر اس دعوت سے تعاون کرتی ، بلکہ اس کے مقدمۃ الجیش میں شامل ہوتی ۔مگر اس کے برعکس اس دعوت کی سب سے پہلے جس نے مخالفت کی ہے، وہ مصری حکومت ہے۔نہ وہ خود اس اسکیم میں شامل ہونے کے لیے تیار ہیں اور نہ دوسرے زیر اثر ممالک کو اس اسکیم میں شامل ہونے کی اجازت دیتے ہیں۔ بلکہ اس اسکیم کا جواب وہ دلیل سے دینے کے بجائے سب وشتم پر اتر آئے ہیں۔سوال یہ ہے کہ اگر 'عرب ممالک کی سوشلسٹ اور انقلاب پسند حکومتیں متحد ہوسکتی ہیں اور انقلاب اور سوشلزم کے نظریات کو بنائے اتحاد قرار دے سکتی ہیں تو اسلام کی اصولی بنیاد پر اتحاد کیوں حرام ہے؟ علاوہ ازیں مصری حکام نے اپنے مخالفوں پر تنقید کے لیے (اگر عرب سربراہوں کو مخالفوں کی صف میں رکھا جاسکتا ہے) جو زبان اور اسلوب اختیار کیا ہے وہ نہ اسلامی اخلاق کے مطابق ہے نہ عربی اخلاق کے مطابق ، بلکہ انسانی اخلاق بھی اس کو گوارا نہیں کرسکتا۔ یہ کہنا کہ 'فلاں' سید خاندان میں سے نہیں بلکہ شیطان کے خاندان میں سے ہے'، 'فلاں یہودی کا بچہ ہے'، 'فلاں' 'ڈاڑھا' ہے۔کیا یہ زبان کسی مہذب حکومت کے پروپیگنڈا

کی زبان ہوتی ہے؟ آخر مصر کے باشندے اتنے گئے گزرے تو نہیں ہیں کہ وہ اپنے ملک کی ترجمانی اس انداز میں ہوتے دیکھ کر پریشان نہ ہوں۔'

مصر کی اندرونی حالت بھی قابل مطالعہ ہے۔جیسا کہ ہم نے ابتدا میں عرض کیا ہے، مصری عوام کی اکثریت سیدھے سادھے فلاحین پر مشتمل ہے۔فلاحین کی اسلام سے وابستگی اس قدر اٹل ہے جس قدر کسی بڑھیا کا ایمان اٹل ہوسکتا ہے۔دوسرے ممالک کے مسلمانوں کی طرح ان کی خواہش بھی یہ ہے کہ مصر کے اندر اسلام کا چرچا ہو، اسلامی تعلیمات کو فروغ حاصل ہو، اسلامی قانون کی فوقیت حاصل ہو، ان کے سربراہ اسلامی شریعت کے پابند اور اسلاف کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں۔مگر حالات ان کی خواہشوں کی نہ صرف تکمیل نہیں کرتے، بلکہ انہیں پامال کرتے ہیں۔

مصر کا میثاق، جسے دستوری اختیارات حاصل ہیں، صاف اعلان کرتا ہے کہ ملک کے اندر سوشلسٹ نظام نافذ کیا جائے گا۔صدر ناصر اس سوشلسٹ نظام کو 'نظریاتی سوشلزم' کی اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں اور مصر کا پریس 'نظریاتی سوشلزم کی تشریح 'مارکسزم' کرتا ہے۔فاروق کے عہد تک دستور میں کم از کم یہ فقرہ موجود تھا کہ 'ریاست کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔' مگر مصری میثاق اس 'رجعت پسندی' سے بالکل پاک ہے۔سوشلسٹ نظام صرف زبان سے نہیں بلکہ عملاً مصر میں نافذ کیا جاتا ہے۔'عرب سوشلسٹ پارٹی' جو مصر کی واحد پارٹی ہے اس کا نفاذ ہاتھ میں لیتی ہے۔ مصر کی 'کمیونسٹ پارٹی' اپنے وجود کو ختم کر کے 'عرب سوشلسٹ پارٹی' میں ادغام کا اعلان کرتی ہے۔ سوشلزم کے نفاذ کے بعد مصری حکومت نے اندھا دھند شخصی جائدادوں اور کمپنیوں پر جس طرح قبضہ کیا ہے اس نے عوام کے اندر خوف وہراس اور انتقامی جذبات کو بھڑکا دیا ہے۔مصر کی اقتصادی حالت تباہی کے گڑھے تک پہنچ چکی ہے۔خود الاہرام کے بیان کے مطابق قاہرہ گداگروں کا شہر بن چکا ہے۔اس سوشلزم سے اگر حقیقتاً کسی کو فائدہ پہنچا ہے تو وہ مزدور اور کسان نہیں ہیں بلکہ 'عرب سوشلسٹ پارٹی' کے عہدیدار ہیں، جن کی دھاندلیوں اور لوٹ کھسوٹ سے کوئی شریف انسان نہیں بچ سکا۔

اخلاقی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو مصر کے بڑے بڑے شہر قاہرہ اور اسکندریہ فسق

وفجور کے اڈوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ اخبارات پر کمیونسٹ اور ملاحدہ چھائے ہوئے ہیں اور وہ جی بھر کر اباحیت اور اخلاقی انارکی کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ ہر وہ شخص جو پابندی سے نماز پڑھتا ہے اور قہوہ خانوں، تھیٹروں اور سینماؤں سے پرہیز کرتا ہے، ان کی نگاہ میں رجعت پسند ہے، استعمار کا ایجنٹ ہے اور گردن زدنی ہے۔

سب سے بڑی آفت جو مصر پر ٹوٹ رہی ہے، وہ فرعونی تہذیب کا احیا ہے۔ مصری میثاق یہ کہتا ہے کہ 'ہم اپنی ترقی کا خاکہ عہد فراعنہ کی تہذیب سے اخذ کریں گے۔' رعمسیس (فرعونِ مصر) کا مجسمہ صحرا کی کھدائیوں سے منتقل کر کے قاہرہ کے وسط میں نصب کیا گیا اور اس منصوبے پر ۵ لاکھ پونڈ صرف ہوئے۔ صدر ناصر نے اپنی ایک تقریر میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: 'اے تحتموت اور رعمسیس کے فرزندو!' اسی طرح ایک اور موقع پر تقریر کے دوران کہا تھا: 'دو ہزار سال کے بعد آج مصر پر پہلی مرتبہ خود اہل مصر کو حکومت کرنے کا موقع ملا ہے۔' گویا حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لے کر اب تک کے تمام غیر مصری مسلمان حکم رانوں کا دوران کی نگاہ میں استعماری دور تھا۔ اور فراعنہ کے دور کے بعد اب مصر کو پہلی مرتبہ استعمار سے آزادی نصیب ہوئی ہے۔ اور یہ جسارت یہاں تک بڑھتی ہے کہ ابو سمبل کے مندروں، اور مجسموں کی بنیادوں میں مصری میثاق، انجیل اور قرآن مجید کے دو دو نسخے دفن کیے جاتے ہیں۔ کیا کسی ان پڑھ سے ان پڑھ مسلمان سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ فراعنہ کے بتوں کے نیچے قرآن مجید رکھے جانے پر خاموش رہے گا اور اس کی غیرت ایمانی اسے گوارا کر لے گی؟

یہ سب کچھ ان حالات میں ہو رہا ہے جب کہ شہری آزادیاں مفقود ہیں، پریس حکومت کے قبضے میں ہے، آزاد اخبارات ختم ہو چکے ہیں۔ مصر کے نام ور اخبار 'المصری' کا ایڈیٹر ابوالفتح جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا ہے، ایک دوسرے مشہور اخبار کا ایڈیٹر مصطفیٰ امین جو مصری حکام کے ثناخوانوں میں پیش پیش تھا جیل میں نظر بند ہے اور اس پر امریکی جاسوسی کا الزام ہے، کمیونسٹ اخبارات ورسائل ملک میں بارش کی طرح برس رہے ہیں، اسی طرح ان کا لٹریچر بازاروں میں پانی کی طرح بہہ رہا ہے، الاہرام کے ایڈیٹر محمد حسنین ہیکل اور صوت القاہرہ کے اناؤنسر سعد احمد برابر سوشلزم کی تفسیریں عوام کو سنا رہے ہیں۔ ایک گروہ ازہر کے علماء کا بھی ہاتھ

لگ گیا ہے جو اسلام کو سوشلزم اور اسلامی تاریخ کی نمایاں شخصیتوں کو سوشلسٹ ثابت کر رہا ہے۔ سوشلزم کے فضائل ومناقب کی گونج سے مصر کی فضا مرتعش ہو رہی ہے اور آسمان پھٹ رہا ہے۔ مصری اخبارات کے بیان کے مطابق ہر روز صدر ناصر کو قتل کرنے کی سازش پکڑی جاتی ہے۔ جس کے پیچھے کسی نہ کسی 'رجعت پسند' گروہ کا ہاتھ تار ہلاتا دریافت ہو جاتا ہے اور عملاً حال ہے کہ جب سے مصر میں مختلف کارخانوں اور اداروں کو قومی تحویل میں لیا گیا ہے بلکہ صحیح الفاظ میں سوشلسٹ پارٹی کی تحویل میں دیا گیا ہے، ان اداروں سے ہونے والی آمدنی صفر کے برابر ہو چکی ہے اور مصارف پہلے سے دوگنے ہو گئے ہیں۔

یہ تو تصویر کا ایک رخ ہے۔ اب اس تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ ہو:

'عرب سوشلسٹ پارٹی' اور مصری حکام عوام کے حلق میں جو تلخ گھونٹ اتارنا چاہتے ہیں، وہ ان سے اتر نہیں رہے ہیں۔ میثاق کے محامد ومحاسن مصری عوام سے منوانے کے لیے لاکھوں پونڈ صرف ہو رہے ہیں، مگر عوام میثاق پر ایمان لانے سے ابا کر رہے ہیں۔ وہ اسے کسی ایچ پیچ کے بغیر کمیونسٹ دستور کا چربہ سمجھتے ہیں۔ فرعونی تہذیب کے احیا کے لیے پوری حکومت کی مشینری وقفِ تگ وتاز ہے۔ مصری پونڈ پر فرعون کی تصویر چھپ گئی ہے۔ ڈاک کی ٹکٹوں پر فرعون کی تصویر ہے، مصری کرنسی پر فرعونی عہد کا نشان 'عقاب' ثبت ہو گیا ہے، سڑکوں کے نام شارع رعمسیس، پارکوں کے نام میدان رعمسیس سینماؤں کا نام رعمسیس سینما، مصر کی ساختہ موٹر کا نام رعمسیس رکھ دیا گیا ہے، مگر مصر کے مسلم عوام اس تہذیب پر ہزار بار لعنت بھیج چکے ہیں اور وہ فرعون کو اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس نگاہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کے ماننے والوں کو دیکھنا چاہیے۔ اسی طرح یمن میں حکومت کی مسلسل غلطیوں پر پردہ ڈالنے کی انتہائی کوشش کی گئی ہے۔ یمن میں مرنے والے فوجیوں کو شہید حریت کا خطاب دیا گیا ہے۔ ان کے رشتہ داروں کو مختلف بہانوں سے راضی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر اس کے باوجود مصری فوج کا ایک حصہ اور مصری عوام اس برادر کشی سے قطعی بے زار ہیں۔

اس کے مقابلے میں اسلام پسند عنصر، خواہ وہ اخوان المسلمون کا حامی ہو یا مخالف، جو بات کہتا ہے اس کی صدائے بازگشت عوام میں افق تا افق سنی جاتی ہے۔

اخوان المسلمون کے رہنما اور کارکن ۱۹۵۴ء کے اواخر سے جیلوں میں ہیں۔ سیاسی لحاظ سے ان کی کسی سرگرمی کا تصور ہی محال ہے۔ البتہ ان کے اہل علم خواہ وہ جیلوں میں تھے یا باہر، علمی اور فکری لحاظ سے ملک کے اندر اسلام کو بچانے کی جو خدمت کر سکتے تھے انہوں نے کی ہے۔ اسلام کے مختلف موضوعات پر انہوں نے لٹریچر تیار کیا۔ مصر میں تفسیر، حدیث، فقہ، اسلامی تاریخ اور اسلامی نظام فکر پر اس قدر وافر لٹریچر پچھلے دس سالوں میں تیار ہوا ہے اور اس قدر مختلف النوع مسائل پر مشتمل ہے کہ انسان لکھنے والوں کی جرأت و ہمت اور چھاپنے والوں کے ایثار کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آج ہمیں اسلام کے فوج داری نظام پر عبدالقادر عودہ شہیدؒ کی مشہور کتاب کے دو حصوں کے علاوہ نامور مصری محقق فتحی بہنسی کی اس موضوع پر چھ ضخیم کتابیں ملتی ہیں۔ اسلام کے بین الاقوامی قانون پر طنطا کے کورٹ آف اپیل کے جج کی بے نظیر تالیف ملتی ہے۔ اسلامی نظام کے فلسفیانہ مباحث پر محمد قطب، عبداللہ السمان محمد حسین کی تصانیف ملتی ہیں۔ 'ناموران اسلام' کے عنوان سے اسلامی تاریخ کے فقہاء، مفسرین، محدثین، قائدین، اہل لغت ونحو اور ارباب سیر و تاریخ کی زندگیوں پر مشتمل طویل سلسلہ ہمارے سامنے موجود ہے جو مصر کے مطبعوں نے چھاپا ہے۔ الغرض اس طرح ہزارہا کتابیں اس دور میں اہل علم نے تیار کی ہیں اور فکری اور علمی لحاظ سے اسلام کی برتری ثابت کرنے کی جدوجہد کی ہے۔ یہی 'رجعت پسندانہ' لٹریچر مصر کے عوام میں مقبولیت کا مقام حاصل کر چکا ہے۔ مصر کے مکتبے اسی لٹریچر سے لبریز، اور خریداروں کی اکثریت کی بغل میں یہی لٹریچر دیکھا گیا ہے۔

مصر کی کمیونسٹ پارٹی (جو اب عرب سوشلسٹ پارٹی کے نام سے موسوم ہے) کے لیے یہ صورتِ حال سوہانِ روح بنی ہوئی تھی۔ مصر کو سوشلسٹ (یا صحیح لفظوں میں کمیونسٹ) معاشرے میں تبدیل کرنے کے لیے ان 'رجعت پسندانہ' افکار اور 'رجعت پسند' اہل قلم کا کلی استیصال ضروری تھا۔ ہمارے علم کے مطابق کمیونسٹ لیڈروں نے ایک طویل رپورٹ تیار کر کے ماسکو بھیجی جس میں یہ وضاحت کی گئی کہ مصر میں جب تک رجعت پسند گروہ کا ایک فرد بھی موجود ہے اس وقت تک مصر ہمارے لیے لقمۂ تر نہیں بن سکتا۔

سیاسی لحاظ سے بھی مصر کی جو کیفیت ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مصری

حکام کے تصرف ناروا سے شام کے لوگ صرف ۳ سال کے اندر چلاّ اٹھے اور انہوں نے شام کو مصر کے پنجے سے آزاد کروا کر دم لیا۔ لیکن جہاں ۱۲ سال سے یہ ناروا کارروائیاں جاری ہوں وہاں آخر اضطراب و بے زاری کس درجہ تک پہنچ چکی ہوگی۔ مصری عوام کی مصری حکام سے بے زاری کا کھلا مظاہرہ اس وقت ہوا جب ۱۹۶۴ء میں مصطفیٰ نحاس پاشا کی وفات ہوئی اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ ان کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ اور جنازہ کے اندر عوام اور پولیس کی جھڑپیں ہوئیں۔ اس بے زاری کا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ ۱۱/اکتوبر ۱۹۶۵ء کو ایک قانون نافذ کیا گیا جس کی رو سے صدر مملکت کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ کسی بھی شخص کو سیاسی وجوہ کی بنا پر مقدمہ چلائے بغیر گرفتار کر سکتا ہے اور اس کے خلاف کسی جگہ اپیل نہیں کی جا سکتی۔

ادھر یمن کا مسئلہ بھی ایسے مراحل میں داخل ہو چکا ہے کہ مصر کے عوام جوش جنوں میں سر بھی پھوڑ لیں تو کم ہے۔ تین سال تک مصری فوجوں نے یمن کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ ایک عرب پونڈ خرچ کیے۔ دس ہزار (اور دوسری روایات کے مطابق ۲۵ ہزار) مصری سپوتوں کو اس جنگ کی نذر کیا۔ مصر کی اقتصادیات کا ستیاناس کیا۔ اسرائیل کے مقابلے کے لیے جو رہی سہی قوت موجود تھی وہ بھی ضائع کر دی اور اب صدر ناصر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مصر، سعودی عرب اور یمن کے مختلف عناصر جن میں سلاّل کے حامی بھی ہوں اور بدر کے ساتھی بھی، بیٹھ کر اس قضیے کا فیصلہ کریں، خواہ آج، خواہ کل، خواہ براہ راست اور خواہ دوسروں کی وساطت سے۔ آخر اس عظیم غلطی کا نتیجہ کیا نکلا۔ یہ نفسیاتی الجھن بھی مصری فوجوں کے اندر شدید بے چینی پیدا کرنے کا موجب ہوئی ہے۔ اس بے چینی کا حل یہ بھی تجویز کیا گیا ہے کہ ملک کے اندر خوف و ہراس کی فضا پیدا کی جائے اور اگر کہیں زبان تنقید یارائے گویائی دکھائے تو اسے قبل از وقت بند کر دیا جائے۔

سوڈان میں کمیونسٹ عناصر کا جو حشر ہو چکا ہے، وہ خاصا عبرت انگیز ہے۔ مصری کمیونسٹوں نے انتہائی کوشش کی کہ سوڈانی کمیونسٹوں کو سہارا دیا جائے۔ جنوبی سوڈان کے باغیوں کو شہ دی تا کہ سوڈان کے داخلی حالات میں افراتفری پیدا کر دی جائے اور مسلمانوں کی توجہ کمیونسٹوں سے ہٹا دی جائے، مگر سوڈان کے اخوان المسلمون نے دوسرے تمام اسلام پسند عناصر کے اتحاد سے سوڈان میں کمیونسٹوں کو دبا رکھا ہے۔ مصری کمیونسٹ اور روس کی کمیونسٹ پارٹی نے اس کا انتقام

مصر کے اخوان المسلمون سے لینے کا فیصلہ کرلیا۔ان کے نزدیک اخوان خواہ مصری ہوں یا سوڈانی، اردنی ہوں یا شامی، عراقی ہوں یا سعودی، اخوان ہی ہیں۔ایک ہی ان کی دعوت ہے اور ایک ہی ان کا نظام ہے۔

ان اسباب ووجوہ کی بنا پر اگست ۱۹۶۵ء میں جب صدر ناصر ماسکو کے دورے پر گئے تو وہاں انہوں نے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ کہ 'اخوان نے میرے قتل کی سازش تیار کی تھی جو طشت از بام ہوچکی ہے۔ ماضی میں میں نے انہیں معاف کر دیا تھا لیکن اب معاف نہیں کروں گا۔'

ادھر موصوف نے ماسکو میں اس 'سازش' کا انکشاف کیا اور ادھر مصر میں ہنگامہ ٔدار و گیر برپا ہوگیا۔اخوان پر ہاتھ ڈال کر صدر ناصر نے کئی حلقوں کے لیے سامان تسلی فراہم کیا اور بہت سے مختلف مقاصد حاصل کیے، روس کو خوش کیا۔مصر کی کمیونسٹ پارٹی کو (جو روسی نظریات سے منسلک ہے) خوش کیا۔روس کی خوشی کی بدولت امداد میں اضافہ ہوا اور مصر کی کمیونسٹ پارٹی کا بھی وہ شکوہ دور ہوا جو اسے ملک کے اندر رجعت پسندانہ افکار کی کھلم کھلا اشاعت سے تھا۔امریکہ کو بھی خوش کر دیا، کیوں کہ امریکہ کی نگاہ میں کمیونسٹوں کی سرکوبی سے اسلام پسندوں کی سرکوبی ہزار و درجہ افضل وانفع ہے۔یہودیوں کو بھی خوشی حاصل ہوئی کہ پارٹی جو اریٹیریا کے باغی مسلمانوں کی پشت پناہی کرتی ہے اور ان کے منظورِ نظر حکمران ہیل سلاسی کے لیے مشکلات کا موجب بنی ہوئی ہے، سرِ دار لٹک رہی ہے۔مصر میں خوف وہراس پیدا کرنے کے لیے ایک بنیاد ہاتھ آ گئی تا کہ اگر کسی دوسرے شخص کے دماغ میں 'خناس' گھسا ہوا ہے تو وہ اخوان کے انجام سے عبرت حاصل کرے اور سوشلزم کو، یا مسئلہ یمن کو اپنی تنقید کا ہدف نہ بنائے۔

'سازش' کے انکشاف کے بعد مصر کی خفیہ پولیس نے جس بے دردی کے ساتھ اخوان کو گرفتار کیا اور اخوان کے گھروں میں گھس کر ان کی خواتین سے تعرض کیا، قلم اس کے بیان کا یارا نہیں رکھتا۔بعض مثالیں ایسی بھی سامنے آئی ہیں کہ میاں اور بیوی دونوں کو گرفتار کرلیا گیا، مگر ان کے معصوم بچے گھر میں لاوارث پڑے ہیں۔والدین کا اصرار ہے کہ ان کے بچوں کو گرفتار کرلیا جائے تا کہ وہ گھر میں بھوکے مرنے کے بجائے جیل میں دن گزار لیں مگر مصری پولیس ان کی

درخواست رد کردیتی ہے۔کوئی اور شہری بھی ان کو اپنی حفاظت میں رکھنے کے لیے تیار نہیں ہے کیوں کہ محض ان کی حفاظت کی خواہش کا اظہار ہی خود اسے مشکوک ٹھیرادے گا۔اس پکڑ دھکڑ سے مصر کے گوشے گوشے میں قیامت ٹوٹ پڑی اور چوں کہ فلاحین میں اخوان کا زیادہ اثر تھا، اس لیے یہ غریب قوم مصری پولیس کے انتقام کا نشانۂ خاص بنی بلکہ دو واقعات ایسے رونما ہوئے جنہوں نے حالات کو انتہائی نازک کردیا ایک کرداسہ کا واقعہ اور دوسرا دمیاط کا حادثہ۔

کرداسہ سمندر کی جانب ایک بستی ہے۔اس بستی میں خفیہ پولیس کے کچھ افراد اخوان کے کارکنوں کی تلاش میں گئے اور اسی تلاش و جستجو میں وہ ایک گھر میں گھس گئے، وہاں جب انہیں معلوم ہوا کہ کوئی شخص بھی اخوان میں سے نہیں ہے تو اس گھر کی ایک خاتون کو انہوں نے گرفتار کرلیا اور اسے گھسیٹ کر لے آئے۔بستی کے کسانوں کو اس کا پتہ چلا تو وہ کاروبار چھوڑ کر بستی کی جانب بھاگے اور پولیس کے دستہ پر جوش غیرت میں ٹوٹ پڑے۔فریقین کی طرف سے لاٹھیوں اور پتھروں کا تبادلہ ہوا۔پولیس کا ایک شخص اس حادثے میں مارا گیا اور پولیس کے باقی افراد نے راہِ فرار اختیار کرلی۔کسانوں کا جتھہ آمریت مردہ باد کے نعرے لگاتا ہوا بستی میں لوٹ آیا۔بعد میں جب معلوم ہوا کہ پولیس نے فوج کی مدد طلب کرلی ہے اور توپوں سے بستی کا محاصرہ ہو رہا ہے تو کسانوں نے بھی اپنے اردگرد دفاعی تدابیر کھڑی کرلیں۔مگر فوج کی گولہ باری سے بستی کی بنیادیں ہل گئیں۔متعدد افراد مارے گئے اور جو بچے انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ان کے گھروں کو تاخت و تاراج کیا گیا۔سوئٹزرلینڈ کے اخبار 'الیبرٹیٹ' نے اپنی ۱۰ر دسمبر ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں اس خبر کو بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ 'کرداسہ کی بستی نے عبدالناصر کی فوجوں کا ہتھیاروں سے مقابلہ کیا ہے جو اخوان المسلمون کے ایک آدمی کو گرفتار کرنے کے لیے بستی پر حملہ آور ہو رہی تھیں۔'

دوسرا حادثہ دمیاط میں پیش آیا جو بحر روم کے ساحل پر قاہرہ سے مشرق کی جانب ۱۳۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔اخوان کی تلاش میں پولیس کے دستے اس قصبے میں پہنچے۔یہاں پولیس نے ایک ماہی گیر کی کشتی کی تلاشی لینا چاہی لیکن اس نے اس خوف سے لیت و لعل کی کہ پولیس کے لوگ اس کی شکار کردہ مچھلی پر ہاتھ صاف کریں گے۔اس مچھیرے کی یہ جسارت پولیس کی شان استکبار کے منافی تھی۔پولیس نے اس کو بلا تردد گولی کا نشانہ بنادیا۔اس کے ماہی گیر

ساتھیوں نے جب تشدد کی یہ انتہا دیکھی تو انہوں نے واویلا مچایا اور نواحی آبادیوں کے لوگ مچھیروں کی مدد کے لیے دوڑ پڑے۔ آناً فاناً سینکڑوں افراد جمع ہو گئے۔ غریب مچھیرے کی بے بسی سے متاثر ہو کر انہوں نے دمیاط کے اندر پولیس اور حکومت کے خلاف مظاہرے شروع کر دیئے اور حکام مصر کے نام لے لے کر مردہ باد کے نعرے لگاتے رہے۔ مصری لیڈروں کی دکانوں پر لٹکی ہوئی تصاویر کو جوش غضب میں زمین پر پھینکتے اور پاؤں تلے روندتے چلے گئے۔ علاقہ کے افسر اعلیٰ نے حکام بالا سے ربط قائم کیا اور 'بغاوت' کو کچلنے کے لیے فوج کی مدد طلب کی۔ چنانچہ مصری فوج نے چڑھائی کی اور دمیاط کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قاہرہ کے اخبارات نے اس واقعہ کو ۴/ستمبر ۱۹۶۵ء کی اشاعتوں میں ایک اسمگلر اور پولیس کی مڈبھیڑ کی حیثیت سے بیان کیا۔ مگر 'جوائنٹ پریس نیوز ایجنسی آف امریکہ' کی اطلاع کے مطابق اس میں قصبے کے کم از کم ۱۶/افراد مارے گئے اور مارشل عبدالحکیم عامر نے ذاتی طور پر اس میں دل چسپی لی۔ یونائیٹڈ پریس آف امریکہ نے بتایا کہ مرنے والوں کو تجہیز و تکفین کی رسوم ادا کیے بغیر ہی دفن کیا گیا۔ اور فوج نے ہزاروں افراد کو حراست میں لے لیا۔ رائٹر اور ایجنسی فرانس نے اس واقعہ کو بڑی اہمیت سے نشر کیا۔

اب تک کی اطلاعات کے مطابق دسمبر ۱۹۶۵ء کے اواخر تک اخوان کے چالیس ہزار سے زائد افراد گرفتار کیے گئے ہیں۔ لندن کے اخبار ڈیلی ٹیلی گراف نے اپنی ۱۱/اکتوبر ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ:

اب تک بیس ہزار افراد گرفتار کیے جا چکے ہیں اور ابھی پورے ملک میں پکڑ دھکڑ کا سلسلہ جاری ہے۔'

گرفتار شدگان میں آٹھ سو کے قریب عورتیں ہیں۔ مزید برآں یہ کہ گرفتار شدگان کے خاندانوں کو ملک کے دور دراز مقامات میں جلاوطن کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ لندن کے ایک یہودی اخبار جیوش آبزرور نے دلی مسرت کے ساتھ اپنی ۲۸/نومبر ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں یہ 'خوشخبری' سنائی تھی کہ 'اس ہفتے کی خبروں سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ گرفتار شدہ اخوانیوں کے چار ہزار پانچ سو خاندانوں کو دور افتادہ مقامات میں جلاوطن کر دیا گیا ہے۔' مصر کے سرکاری حلقوں

کے بیانات کے مطابق گرفتارشدگان دوگروہوں پر مشتمل ہیں۔کچھ افراد وہ ہیں جن پر مصری حکومت کی طرف سے الزامات عائد کیے گئے ہیں۔ان کی تعداد چارسو سے کم ہے اور اکثریت ان لوگوں کی ہے جن پر کوئی الزام نہیں ہے۔

گرفتار ہونے والوں میں نمایاں شخصیتیں یہ ہیں:

۱- حسن اسماعیل الھضیبی: موصوف کی عمر ۴۷، برس کے لگ بھگ ہے۔اخوان سے باقاعدہ تعلق سے پہلے قاہرہ کے سپریم کورٹ میں لیگل ایڈوائزر تھے۔۱۹۴۸ء میں حسن البنّا مرحوم کی شہادت کے بعد اخوان کے مرشد عام (صدر) منتخب ہوئے۔ موصوف چوں کہ قانون داں ہیں،اس لیے انہوں نے اپنے دور صدارت میں جماعت کو قانون اور ضابطے کا پابند بنانے میں بڑی کوشش کی ہے۔بلکہ موصوف بعض اخوانی حلقوں میں اپنے قانونی تشدد اور خوردہ گیری کی وجہ سے تنقید کا ہدف بھی بنے رہے۔ ۱۹۵۴ء میں جب اخوان پر دوبارہ آزمائش آئی تو انہیں بھی گرفتار کرلیا گیا اور انہیں سزائے موت سنائی گئی جسے بعد میں عمر قید میں تبدیل کردیا گیا۔جیل میں ان کو سخت تعذیب دی گئی،جس کی وجہ سے ان کی صحت اس حد تک خراب ہوگئی کہ حکومت کو مجبوراً انہیں رہا کرنا پڑا۔اس کے بعد سے یہ اپنے گھر پر نظر بندی کے ایام گزار رہے تھے۔ اب انہیں دوبارہ سازش کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا اور ۳ سال قید بامشقت کی سزادی گئی ہے۔

۲- مامون الھضیبی: یہ حسن الھضیبی کے صاحب زادے ہیں اور قاہرہ کے سپریم کورٹ میں یہ بھی لیگل ایڈوائزر رہ چکے ہیں۔انہیں ۳ سال کی سزادی گئی ہے۔

۳- اسماعیل الھضیبی: یہ حسن الھضیبی کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔وکالت ان کا پیشہ ہے۔انہیں ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی ہے۔

۴- سید قطب: ان کی عمر ۶۰ سال کے قریب ہے۔اخوان کے ساتھ وابستگی سے پہلے یہ مصر کی وزارت تعلیم میں انسپکٹر آف سکولز کے منصب پر فائز تھے۔۱۹۵۳ء میں اخوان کے باضابطہ ممبر بنے اور اخوان کے شعبۂ نشر واشاعت کے سکریٹری مقرر ہوئے۔

۱۹۵۴ء میں یہ بھی گرفتار ہوئے اور محکمۃ الشعب (عوامی عدالت) کی طرف سے انہیں موت کی سزا دی گئی جو بعد میں عمر قید میں تبدیل کر دی گئی۔ اگست ۱۹۶۴ء میں عبدالسلام عارف مرحوم کی سفارش کی بنا پر حکومت مصر نے انہیں رہا کر دیا، مگر ایک سال بعد ہی اگست ۱۹۶۵ء میں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا اور اب انہیں پھانسی پر چڑھا دیا گیا ہے۔

۵- **محمد قطب:** یہ سید قطب کے بڑے بھائی ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اخوان سے ان کا باقاعدہ تعلق نہیں ہے۔ ان کی مشہور کتابیں یہ ہیں:

۱- الانسان بین المادیۃ والاسلام (انسان مادیت اور اسلام کی نگاہ میں)

۲- شبہات حول الاسلام (اسلام پر مغرب کے اعتراضات اور ان کا جواب)

۳- جاھلیۃ القرن العشرین (بیسویں صدی کی جاہلیت)

ان کتابوں کی بے پناہ مقبولیت ان کی گرفتاری کا سبب ہوئی، انہوں نے اپنا ایک مکتبہ بھی قائم کر رکھا تھا جو ان کی کتابیں اور سید قطب اور دوسرے اسلام پسند مصنفین کی کتابیں شائع کرتا رہا ہے۔ ان کی گرفتاری کے وقت ان کا مکتبہ بھی ضبط کر لیا گیا۔ محمد قطب جیل میں شدید اذیتوں نشانہ بنے رہے اور یہی مظالم ان کی بہن امینہ قطب کے ساتھ بھی روا رکھے گئے۔

۶- **استاذ صالح ابو رقیق:** یہ عرب لیگ کے مرکز میں لیگل ایڈوائزر رہ چکے ہیں۔

۷- **محمد فرید عبدالخالق:** مصر کے مشہور ماہرین تعلیم میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

۸- **استاذ منیر ولّہ:** فاروق کے عہد میں یہ کونسل آف اسٹیٹ کے لیگل ایڈوائزر تھے۔

گرفتار ہونے والی عورتوں میں قابل ذکر خواتین یہ ہیں:

۱- **سیدہ زینب الغزالی۔** ان کی عمر ۶۰ سال سے متجاوز ہے۔ مسلم خواتین کی تنظیم کی سربراہ تھیں۔ انہوں نے ٹریبونل کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ 'میرے اوپر جھوٹے الزامات لگانے کی کیا ضرورت ہے، اگر میری جان کی ضرورت ہے تو وہ حاضر ہے' ——— انہیں دس سال قید بامشقت کی سزا دی گئی ہے۔

۲- حسن الہضیبی، صدر اخوان کی اہلیہ۔

۳- حسن الہضیبی کی صاحب زادی سیدہ خالدہ۔

۴- اسماعیل الہضیبی کی اہلیہ (حسن الہضیبی کی بہو)

۵- سیدہ حمیدہ قطب۔ سید قطب کی بہن۔ انہیں ۳ سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی ہے۔

۶- استاذ عبدالحلیم وشاحی کی اہلیہ۔

گرفتار شدگان کے ساتھ جیلوں میں جو سلوک روا رکھا گیا ہے اور ان کے متعلقین کے ساتھ جو کچھ بیتی ہے اس کا ذکر بھی ضروری ہے، اوپر ہم بیان کر آئے ہیں کہ گرفتار شدگان کے خاندانوں کی کثیر تعداد کو دور افتادہ مقامات پر بھیج دیا گیا ہے تاکہ وہ کسی قسم کی چارہ جوئی نہ کر سکیں اور عوام کی ہم دردیوں سے بھی محروم رہیں۔ گرفتار شدہ افراد کے خاندان کے لوگوں کو اپنے رشتہ دار قیدیوں سے ملاقات یا خط و کتابت کی اجازت نہیں دی گئی۔ اکثر لوگوں کو ایسی حالت میں گرفتار (دوسرے لفظوں میں) اغوا کیا گیا ہے کہ ان کے متعلقین کو ان کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہے۔ ہزاروں خاندان ایسے ہیں جن کا کوئی سربراہ یا پرسان حال نہیں ہے۔

مزید برآں یہ کہ حکومت کے ایک قانون کی رو سے گرفتار شدگان میں جو سرکاری ملازمین تھے ان کو تنخواہوں اور دوسرے قانونی استحقاقات سے محروم کر دیا گیا ہے کہ اگر گرفتار شدہ افراد میں سے کوئی فرد ان کا ملازم ہے تو اسے ملازمت سے الگ کر دیا جائے اور اس کی تنخواہ بند کر دی جائے اور اس کے اقارب میں سے کسی کی مالی امداد نہ کی جائے۔ عام لوگوں کو بھی حکماً گرفتار شدگان کے متعلقین میں سے کسی کی نقد یا کسی اور شکل میں امداد کرنے سے منع کر دیا گیا ہے اور اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو مستوجب سزا قرار دیا گیا ہے۔ گرفتار شدگان کی منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کو ضبط کر لیا گیا ہے۔ پیرس کے اخبار لومنڈ کے ۲۳ر دسمبر ۱۹۶۵ء کے شمارہ میں یہ خبر شائع ہوئی کہ 'حکومت مصر کے ایک جاری کردہ قانون کی رو سے حکومت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ سیاسی نظر بندوں کی املاک ضبط کر سکتی ہے۔' وہ خاندان جو کرایہ پر یا سرکاری مکانات میں رہتے تھے، پولیس کے اشارے پر انہیں ان مکانات سے نکال دیا گیا ہے اور انہیں بے یار و مددگار کھلے آسمان کے نیچے چھوڑ دیا گیا ہے۔

چوں کہ ان گرفتاریوں کے پیچھے کمیونسٹ عناصر اور کمیونسٹ مشیروں کا منصوبہ کام کر رہا ہے اس لیے یہ گرفتاریاں صرف اخوان تک محدود نہیں ہیں۔ بلکہ دراصل ان تمام متشددانہ کارروائیوں کا ہدف دو چیزیں ہیں۔ ایک 'رجعت پسند' اہل قلم اور اہل دعوت کا وجود۔ دوسرے 'رجعت پسند افکار و نظریات'۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک ان دونوں چیزوں سے ملک کی تطہیر نہیں ہوگی کمیونزم کو ملک میں آشیرواد نہیں مل سکتی۔

'رجعت پسند' اہل قلم اور اہل دعوت کا صفایا کرنے کے لیے پہلا حملہ اخوان پر کیا گیا۔ اس کے بعد مصر کی دوسری مذہبی جماعتوں کی طرف رخ کیا گیا اور ان میں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی حیثیت سے شریک سازش ثابت کیا گیا۔ انجمن سیدنا شباب محمد ﷺ، جمعیت شرعیہ، تبلیغی جماعت اور انصار السنۃ المحمدیہ کا اخوان سے کوئی رشتہ نہیں ہے، بلکہ ان میں سے اکثر جماعتیں اخوان سے شدید اختلاف رکھتی ہیں اور سیاست کو 'شجر ممنوعہ' سمجھتی ہیں۔ مگر ان سب جماعتوں پر حملہ کیا گیا، ان کے حامیوں کو گرفتار کیا گیا اور ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ اخوان کے لوگ ان جمعیتوں کے نوجوانوں کے مذہبی جذبات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور انہیں اپنے حلقۂ اثر میں لے آتے ہیں۔ اَسیوط کی آبادی کی اکثریت عیسائیوں پر مشتمل ہے۔ وہاں کی مسلم اقلیت کے لیے جمعیت شرعیہ نے ایک مسجد تعمیر کی اور مسجد کے ساتھ نوجوانوں کے لیے کھیلوں کا ایک کلب قائم کیا۔ جو نوجوان اس کلب میں تفریح کے لیے آتے رہے ہیں انہیں بھی گرفتار کیا گیا کیوں کہ وہ ایسے کلب میں جاتے ہیں جس کا انتظام ایک مذہبی انجمن کے ہاتھ میں ہے۔

'رجعت پسندانہ' افکار سے نجات حاصل کرنے کے لیے مکتبوں پر چھاپے مارے گئے اور وہ تمام کتابیں ضبط کر لی گئیں جن میں یہ 'جراثیم' پائے گئے۔ ہمارے سامنے ان کتابوں کی طویل فہرست موجود ہے جو مصر میں پچھلے چند ماہ میں خلاف قانون قرار دی گئی ہیں۔ ان میں اخوان مصنفین کے علاوہ دوسرے ان مصنفوں تک کی کتابیں شامل ہیں جو سرکار کے دربار میں منظور نظر رہے ہیں۔ ان مطابع کو سربمہر کر دیا گیا ہے جو بالعموم اسلامی لٹریچر چھاپتے ہیں۔ المدنی پریس قاہرہ کا مشہور پریس ہے۔ راقم السطور کی ملاقات اس پریس کے مالک محمد المدنی

سے قطر میں ہوئی ہے۔انہوں نے خود مجھے اپنے پریس کی تباہی کی داستان سنائی اور بتایا کہ یہ تباہی محض اس جرم میں ہوئی کہ یہ پریس کمیونسٹ لٹریچر چھاپنے کے بجائے اسلامی لٹریچر چھاپتا رہا ہے۔اس لیے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ کشمکش دراصل اسلام اور کمیونزم اور خدا پرستی اور الحاد کی کش مکش ہے۔اسے محض چند افراد کے 'جنون' سے تعبیر کرنا اور ان کی 'سزائے موت' پر اس کا خاتمہ تصور کر لینا حالات کا صحیح مطالعہ نہیں ہے۔

اب ان الزامات کو لیجیے جو سرکاری پریس نوٹ میں اخوان پر لگائے گئے ہیں۔

سب سے پہلا الزام یہ ہے کہ اخوان نے ایک خفیہ تنظیم قائم کر رکھی تھی،جس کے سربراہ سید قطب تھے۔یہ تنظیم ملزمین کے لیے مالی امداد اور دیگر وسائل فراہم کرتی تھی۔صدر ناصر کے قتل کا منصوبہ تیار کر رہی تھی۔کچھ نوجوانوں کو سرکاری عمارات اور اعلیٰ حکام کی اسپیشل ٹرینوں کو اڑانے کی تربیت دے رہی تھی۔اور اس تربیت کے لیے بعض عورتوں کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں۔

جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے یہ کوئی نیا الزام نہیں ہے اور نہ تنہا مصری حکومت اور مصر کے اخوان المسلمون ہی کے لیے مخصوص ہے۔ ہر صاحب اقتدار نے اپنے مخالفین پر ہر دور میں ایسے ہی الزامات چسپاں کیے ہیں۔خصوصاً کمیونسٹ ممالک اور ان کے زیر اثر ممالک تو اس طرح کے الزامات کی تصنیف میں بڑے چابک دست ثابت ہوئے ہیں۔کیا یہ الزام صرف اس بنا پر تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ سرکاری پریس نوٹ میں اسے بیان کر دیا گیا ہے؟معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی یہ سوال کرسکتا ہے کہ ۱۹۵۴ء سے اخوان کے ہزاروں افراد جیلوں میں پڑے ہیں۔ ان کے اہل وعیال انتہائی عسرت اور مفلوک الحالی کی زندگی گزار رہے ہیں ۔خود سید قطب ۱۰ سال کے بعد رہا کیے گئے اور ایک ہی سال کے وقفے سے انہیں دوبارہ گرفتار کرلیا گیا۔رہائی کے ایام میں بھی ان کی شدید نگرانی کی جاتی رہی ہے۔کیا یہ عقل باور کرتی ہے کہ انہوں نے اس قلیل وقفے میں اتنی بڑی سازش تیار کر لی اور اس کے لیے اس قدر کثیر مقدار میں اسلحہ بھی فراہم کرلیا کہ حکومت کا تختہ الٹ دیں ۔جس حکومت کی پولیس روم سے مشتبہ اشخاص کو صندوق میں پیک کر کے قاہرہ لانے کا انتظام کرسکتی ہے کیا اس پولیس کی موجودگی میں کوئی شخص ایسی سازش کا خیال بھی دل میں لاسکتا ہے۔یہ بھی پیش نظر رہے کہ فرد جرم میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ

'ملزمین ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۵ء تک برابر حکومت کا تختہ الٹنے کی اسکیم تیار کرتے رہے۔' گویا سید قطب جیل میں بیٹھ کر اس اسکیم کی نگرانی کرتے رہے اور اپنی ہمشیرگان اور ایک ۶۰ سالہ خاتون زینب الغزالی سے اس اسکیم کے نفاذ کی ہدایات تقسیم کرنے کی خدمات لیتے تھے! پھر آخر اس الزام کا ثبوت کیا ہے؟ ریڈیو اور پریس کا پروپیگنڈا تو کوئی ثبوت نہیں ہے، اور جس طرح کی عدالت میں جس ڈھنگ سے اس کو پیش کیا گیا ہے اس کا بھانڈا دنیا کے ایک غیر جانب دار ادارے سے ایمنیسٹی انٹرنیشنل نے پھوڑ دیا ہے۔

البتہ اخوان نے پچھلے چند سالوں میں ایک کام ضرور کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ۱۹۵۴ء سے جو ہزاروں افراد جیلوں میں پڑے ہیں، ان کے لاوارث اور بے کس اہل وعیال کی مالی اعانت ضرور کی ہے۔ مصری حکومت اپنی خفیہ پولیس، اپنی پروپیگنڈا مشینری اور عرب سوشلسٹ پارٹی اور اس نوعیت کے دوسرے اداروں پر تو بلاشبہ دولت کی بارش کرتی رہی ہے، لیکن قیدیوں کے متعلقین کی گزر بسر کے لیے کبھی ایک پائی کی روادار بھی نہیں ہوئی۔ حالانکہ اس کا یہ فرض تھا کہ سیاسی انتقام کی بنا پر جن لوگوں کو طویل مدت کے لیے اس نے جیلوں میں ڈال دیا تھا ان کے معصوم بچوں، بیویوں اور بوڑھی ماؤں کو کم از کم بقدرِ سدِّ رمق ہی مالی امداد دیتی۔ کیا مارکسزم میں صرف ایسے لوگوں کے متعلقین کو فاقہ کشی سے بچانے کا کوئی اصول نہیں پایا جاتا؟ کیا مارکسزم میں صرف واحد حکمراں پارٹی ہی کو مال ودولت سے جھولیاں بھرنے کی اجازت ہے، کوئی دوسرا اس کا مستحق نہیں ہے؟ کیا 'شہید وطن' لومبا کے غیر مصری بچوں کو مصری حکومت کے زیر عاطفت تعلیم وتربیت کی پوری سہولتیں حاصل ہوسکتی ہیں، مگر عبدالقادر عودہ کے غریب اور نادار بچوں کا اس میں کوئی حق نہیں ہے؟ آخر ہزاروں قیدیوں کے پیچھے لواحقین کی طویل فہرست تھی۔ ان کی مائیں، ان کی بیویاں، ان کی بچیاں، ان کے شیر خوار بچے، کیا کسی نے سوچا کہ یہ مصیبت زدہ دووقت کی روٹی کہاں سے کھاتے ہوں گے؟

لیکن مصر دردِ دل رکھنے والوں سے یکسر خالی نہیں ہے۔ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ وطالبات کا ایک گروہ اہل خیر کے گھروں میں جا کر ان سے اعانتیں حاصل کرتا تھا اور حسبِ ضرورت ہر قیدی کے بے سہارا متعلقین تک پہنچاتا تھا۔ مصری حکومت نے اسی

گروہ کو 'خفیہ تنظیم' سے تعبیر کیا ہے۔ یہ گروہ مصر کی خفیہ پولیس سے اوجھل نہیں تھا۔ یہ سب اخوانی بھی نہ تھے محض انسانی جذبے سے خدمت خلق سمجھتے ہوئے بہت سے نوجوان یہ کام کر رہے تھے، اور بہت سے نیک لوگ جن کا اخوان سے کبھی دور دراز کا تعلق بھی نہ تھا صرف خدا ترسی اور انسانی ہم دردی کی بنا پر اس کار خیر میں ان کی مالی مدد کر رہے تھے۔ کسی شریف آدمی کے تصور میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ بھی کوئی سیاسی سرگرمی ہے اس لیے نہ انہوں نے اس کو چھپانے کی کوئی ضرورت محسوس کی اور نہ اس کے لیے کوئی 'خفیہ نظام' قائم کیا۔ جو لوگ مصری حکام کے مزاج کو سمجھتے تھے انہوں نے ان نیک دل نوجوانوں کو اس کام سے باز رہنے کی تلقین بھی کی، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ 'خدمت خلق' ایک دن ان کے لیے تباہ کن ثابت ہوگی مگر ان کے دلوں پر اس تلقین کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ برابر اپنے کام میں مگن رہے۔ آخر کار ان کی شوخیِ طبع ان کے لیے بلا ثابت ہوئی۔ وہ اپنا کام کرتے رہے اور مصری خفیہ پولیس خاموشی کے ساتھ ان کی فہرستیں تیار کرتی رہی۔ آج وہی اخوان کی 'خفیہ تنظیم' کے کارکن قرار دیئے گئے اور بہت سے وہ نیک لوگ بھی جو فاقہ کش خاندانوں کی دست گیری کے لیے ان کو مالی مدد دیتے تھے 'سازش' کے الزام میں دھر لیے گئے۔

دوسرا الزام یہ ہے کہ اخوان کے پاس سے اسلحہ کے ذخائر برآمد ہوئے ہیں اور اس اسلحہ سے وہ مصر کی حکومت کا تختہ الٹنے اور نام ور شخصیتوں کو مارنے اور بڑی بڑی عمارات کو اڑانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مگر اخبارات میں اسلحہ کی جو تصویریں شائع ہوئی ہیں وہ معمولی چھریاں اور کانٹے ہیں۔ اگر فی الواقع پولیس نے اسلحہ برآمد کیا ہوتا تو یقیناً اس کے لیے نمائشیں منعقد کی جاتیں اور ٹیلی ویژن پر اسے دکھا دکھا کر دنیا کو باور کرایا جاتا کہ مسلح انقلاب کے لیے یہ سروسامان فراہم کیا گیا تھا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ برآمد شدہ اسلحہ تو چھپا کر رکھ لیے گئے اور دنیا کو دکھانے کے لیے اخبارات میں صرف چھریاں اور کانٹے پیش کر دیئے گئے؟ کیا مصری حکام نادان بچے ہیں کہ اصل میگزین جو انہوں نے پکڑے تھے انہیں پس پردہ رکھ کر نمائش کے لیے یہ سامان مضحکہ دنیا کے سامنے لے آئے؟

ایک مشہور صحافی، جس نے مصر کا دورہ کیا ہے، اس کا بیان ہے کہ حکومت نے صحافیوں کی ایک پارٹی کو کرداسہ کی بستی میں جمع ہونے کی دعوت دی تاکہ انہیں اسلحہ کے ذخائر کا معائنہ

کرایا جائے۔ایک طرف صحافیوں کی جماعت کو کرداسہ پہنچانے کا انتظام کیا گیا اور دوسری طرف فوج کی ایک گاڑی اسلحہ سے بھر کر کرداسہ روانہ کردی گئی۔مگر اتفاق سے یہ گاڑی راستہ میں کسی وجہ سے خراب ہوگئی اور وقت مقررہ پر نہ پہنچ سکی۔نتیجہ یہ ہوا کہ بے چاری پولیس کو اسلحہ کا گودام تیار کرنے کا موقع نہ مل سکا۔صحافیوں نے جب اسلحہ کے ذخائر دیکھنے کا مطالبہ کیا تو پولیس کو مجبوراً فوجی گاڑی کا معائنہ کرانا پڑا،اوراس نے بتایا کہ اسلحہ کے ذخائر سے مراد یہی گاڑی ہے۔اس فوجی گاڑی کے علاوہ دوسرے اسلحہ کی اخبارات میں تصاویر تو ضرور دکھائی گئی ہیں مگر اسلحہ کے نمونے نہ کہیں پیش کیے گئے اور نہ عوام الناس کو ان کی زیارت کرائی گئی۔

ان دو بنیادی الزامات کے بعد وقتاً فوقتاً الزامات کا اضافہ ہوتا رہا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ سید قطب،محمد قطب،امینہ قطب،حمیدہ قطب یہ سب بھائی بہن دہشت پسند خفیہ تنظیم کے سربراہ ہیں،ان کی نگرانی میں وہ اسکیم تیار ہورہی تھی جس کا اگر انکشاف نہ ہوجاتا تو مصر کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی۔ایک ہی گھرانے کے سگے بہن بھائی اتنی بڑی اسکیم کی نگرانی کررہے ہوں،یہ احمقوں اور بیوقوفوں کا گھرانہ تو ہوسکتا ہے مگر 'تفسیر قرآن' 'اسلام کے عدل اجتماعی'،اور'انسان مادیت اور اسلام کی نظر میں'اور'زندگی کی رد میں' کے مصنفین کا گھرانہ نہیں ہوسکتا اور نہ ان لوگوں کا گھرانہ ہوسکتا ہے جس کا ہر ایک فردوس سال تک قید بامشقت گزار چکا ہو اور جس کی ایک خاتون دس سال سے عمر قید کی سزا بھگتنے والے شوہر کے انتظار میں بیٹھی ہو۔

۲۔ حسین توفیق نامی ایک شخص کی سازش کا انکشاف کیا گیا۔اگرچہ پولیس کی فائل اسے اخوان کی سازش سے الگ سازش شمار کرتی ہے مگر مصری پریس اور اخبارات اسے اخوان ہی کی 'سازش' کا ایک حصہ قرار دیتے ہیں۔پولیس کی فائل میں حسین توفیق کو سعودی عرب کی حکومت کا ایجنٹ قرار دیا گیا تھا۔مگر سعودی عرب سے اس سازش کو منسوب کرنے میں یہ خطرہ تھا کہ یمن کے مسئلے کو حل کرنے میں رکاوٹ پیش آسکتی ہے اور حکومت مصر کی اس وقت شدید خواہش ہے کہ یہ مسئلہ پرامن طریقے سے حل ہوجائے اس لیے اس 'سازش' کو سعودی عرب سے منسوب کرنے کے بجائے اخوان کے حساب

میں ڈال دیا گیا۔ کیوں کہ یہ لوگ قربانی کے ایسے بکرے ہیں جن کی کوئی ماں نہیں ہے
جوان کی خیر مناسکتی ہو۔

۳۔ کچھ مدت کے بعد یہ الزام شائع کیا گیا کہ اخوان کی دہشت پسند تنظیم نہ صرف صدر
ناصر کے قتل کا منصوبہ تیار کر رہی تھی بلکہ ملکہ ترنم ام کلثوم، مشہور موسیقار عبدالوہاب نام ور
فلم ایکٹر عبدالحلیم حافظ، اور فلمی دنیا کے تابندہ ستارے فائزہ اور شادیہ کا قتل بھی ان کی
اسکیم میں شامل تھا۔ ان ناموں کے اعلان سے پولیس کا مقصد یہ تھا کہ اگر عوام الناس
اپنے محبوب صدر کے قتل کی سازش کا انکشاف سن کر نہ بھڑکیں گے تو کم از کم اپنے محبوب
ہیروؤں کے لیے تو ان کے دل میں جوش وحمیت کا ابھر آنا یقینی ہے اور اس واقعہ کا دل
چسپ پہلو یہی ہے کہ جب مذکورہ ارباب غنا و رقص کے نام اخبارات میں شائع ہوئے
تو ان کے دوسرے ہم جنسوں نے اس پر احتجاج کیا کہ انہیں ہیرووں کی صف میں شمار
کیوں نہیں کیا گیا۔ پولیس نے ان کے اس مطالبے کے بعد کچھ اور ایسے 'خطوط' برآمد
کر لیے جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ مذکورین کے علاوہ اور لوگوں کی کثیر تعداد بھی
اخوان کی فہرست میں شامل تھی۔ ان کے نام بھی اخبارات میں شائع کر دیئے گئے۔

کہا جاتا ہے کہ جن افراد کو موت کی سزا دی گئی یا دوسری بڑی سزائیں دی گئی ہیں
نہوں نے اپنے جرم کا خود اقبال کیا ہے۔ آمرانہ نظام کے اندر 'اقبال جرم' کا افسانہ کسی دلیل
تبصرے کا محتاج نہیں ہے۔ اسٹالین کے دور میں اقبالی مجرموں کی داستانوں سے ایک دنیا واقف
ہو چکی ہے۔ ہر انسان کی قوت برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ اس حد سے زیادہ اسے اذیت
پہنچا کر ہر نا کردہ گناہ کا اس سے اقبال کرایا جا سکتا ہے۔ مگر اس کا کیا جواب ہے کہ جس 'عدالت'
کے سامنے یہ ملزم پیش کیے گئے اس میں مقدمے کی سماعت کا جب آغاز ہوا تو کارروائی کو ٹیلی ویژن
پر دکھایا گیا اور جب نظر بندوں نے اپنی تعذیب کی داستانیں سنانی شروع کیں تو یہ کارروائی فوراً
روک دی گئی اور اسے بند کمرے میں شروع کر دیا گیا۔ مصری یا غیر مصری صحافیوں کو بھی کارروائی
کی سماعت کی اجازت نہیں دی گئی۔ اور اس کے بعد کورٹ کی کارروائیوں کی جتنی خبریں اخبارات
میں شائع ہوئیں وہ صرف سرکاری ذرائع سے شائع ہوئیں۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اخوان کے نظر بندوں نے جرم کا اقبال کر لیا ہے تو ہمارے
نزدیک یہ کوئی امر محال نہیں ہے۔ ان کے ساتھ جیلوں میں جو برتاؤ کیا گیا ہے اس کے پیش نظر کسی
محبوس کا ان تمام کے تمام الزامات کی تصدیق کر دینا جو سرکاری پریس نوٹ میں بیان کیے گئے
ہیں نا قابل فہم نہیں ہے۔ جس برتاؤ کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے وہ عرب ممالک کے اخبارات
میں چھپ چکا ہے۔ ریڈ کراس جنیوا کا ادارہ اس کا اظہار کر چکا ہے، ایمنیسٹی انٹرنیشنل کے
نمائندے کی رپورٹ میں اس کی تائید کی جا چکی ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عرب ممالک کے
بچے بچے کی زبان سے یہ حقیقت دہرائی جا رہی ہے۔

ہم یہاں صرف مصر کے سجن حربی (فوجی قید خانے) کے حالات بیان کرتے ہیں جس
میں وہ لوگ رکھے جاتے ہیں جن کا انٹروگیشن کیا جاتا ہے۔ وہاں اخوان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا

ہے اس کی حسب ذیل تفصیلات روزنامہ 'المیثاق الاسلامی' خرطوم، سوڈان، شمارہ بابت ۲، ۳ رفروری ۱۹۶۶ء، روزنامہ 'العلم' رباط، مراکش شمارہ بابت ۲ ر مارچ ۱۹۶۶ء اور روزنامہ عکاظ جدہ، سعودی عرب شمارہ بابت یکم مئی ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی ہیں۔ یہ ان قیدیوں کے بیانات ہیں جو کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھیوں پر گزرے ہوئے حالات باہر پہنچانے میں کام یاب ہوگئے ہیں اور پھر یہ بیانات سوڈان، مراکش اور سعودی عرب کے اخبارات تک پہنچ گئے۔

"۳۰ کے قریب اخوان کا ایک گروپ لایا گیا۔ انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ہر ایک کی ٹانگ دوسرے کے بازو سے باندھ دی گئی اور زمین پر چت لٹا دیا گیا۔ اس کے بعد دس کرین منگوائے گئے۔ پہلے شخص کے دونوں بازو نمبر ا کرین کے ساتھ باندھ دیئے گئے، تیسرے شخص کی دونوں پنڈلیوں کو نمبر ۲ کرین کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ اس طرح ان دس کرینوں نے ۱۳۰ افراد کو فضا میں لٹکا دیا۔ یہ کرین پانچ قطاروں میں تھے۔ اس کے بعد دوسرے نظر بندوں کو لا کر کرینوں سے کچھ فاصلے پر کھڑا کر دیا گیا اور ام کلثوم کے گانوں کے ریکارڈ لگا دیئے گئے۔ جن میں یہ گانا خاص طور پر دہرایا گیا۔

"یا جمال، یا مثال الوطنیہ"

اخوان کو حکم دیا گیا کہ وہ بھی اس گانے کو دہرائیں، ایک گھنٹہ تک یہ گانا دہرایا جاتا رہا۔ اس کے بعد داروغۂ جیل حمزہ بسیونی اور اس کے اسسٹنٹ حسین عرفہ اور دوسرے فوجی افسر آئے۔ ان کے آگے آگے حسن الھضیبی اور سید قطب کو اسٹریچر پر ڈال کر لایا گیا۔ یہ دونوں نیم مردہ حالت میں تھے اور چل نہیں سکتے تھے۔ کرینوں پر ننگے لٹکے ہوئے ساتھیوں کے سامنے انہیں کھڑا کر دیا گیا۔ فوجی افسر نے لٹکے ہوئے ساتھی سے پوچھا:

"کیا تجھے اپنا بیان یاد ہے؟"

اس نے جواب دیا: "ہاں"

پھر پوچھا: "جو باتیں تجھے لکھ کر دی گئی ہیں وہ اچھی طرح یاد ہیں؟"

ساتھی نے کہا: ''ہاں خوب یاد ہیں۔''

ہر شخص سے یہی سوالات کیے گئے۔ پھر پوچھا گیا:

''کیا تم عدالت میں ان بیانات کو بدل دو گے؟''

ساتھیوں نے جواب دیا: ''نہیں''

سوال ہوا: ''جیل میں تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کیا گیا ہے؟''

جواب ملا: ''بڑا شریفانہ اور مشفقانہ برتاؤ ہوا ہے۔''

فوجی افسر نے حسن الہضیبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: ''یہ کون ہے؟''

ساتھی نے کہا: ''جناب مرشد ہیں (اخوان اپنے صدر کو مرشد کہتے ہیں)

فوجی افسر نے کہا: ''کہو مرشدِ کفر''

سید قطب کی جانب اشارہ کر کے فوجی افسر نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟''

ساتھی نے کہا: ''سید قطب''

کہا گیا: ''اسے مخاطب کر کے کہو: ''تو بڑا ظالم اور نادان ہے۔''

ساتھی نے ان الفاظ کو دوہرایا۔

یہ سوال و جواب ہر معلق ساتھی سے کیے گئے۔ ایسا بھی ہوا کہ ایک ساتھی نے جواب نہ دیا اور خاموشی اختیار کر لی۔ مگر فوجی افسر نے جلتا ہوا سگریٹ اس کے نازک اعضا پر لگایا اور وہ بے اختیار پکار اٹھا: ''یہ مرشدِ کفر ہے اور وہ ظالم اور نادان ہے۔''

اس کارروائی کے بعد داروغۂ جیل حمزہ بسیونی نے تقریر شروع کی اور کہا:

'ہم پہلے ''سبق'' دیتے ہیں اور جو شخص ''سبق'' یاد نہ کرے یا یاد کر کے بھلا دے اس کو کرینوں کے ذریعہ چیر ڈالا جائے گا اور ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ یہ کرین کھڑے ہیں جو چون و چرا کرے گا اس کی دونوں ٹانگیں دو کرینوں کے ساتھ باندھ دیں گے اور دونوں کو مخالف سمتوں میں حرکت دیں گے۔ اس طرح اس کی ٹانگیں الگ الگ کر دیں گے۔ ہم تمہیں مرنے نہیں دیں گے، ہم جانتے ہیں کہ تمہیں مرنے کی بڑی آرزو ہے، لیکن ہم اس آرزو کو پورا نہیں کریں گے۔'

(۲۱ر دسمبر ۱۹۶۵ء کے واقعات)

اس جیل میں پانچ خواتین دماغی حادثہ کا شکار ہو گئیں، تقریباً ایک ہفتہ سے وہ حواس باختہ ہیں۔ ایک فوجی افسر آیا اور ان خواتین سے کہنے لگا کہ 'کیا تمہاری دماغی حالت خراب ہو گئی ہے؟ میں اسے باور نہیں کرتا۔ میں ابھی تمہاری دماغی خرابی کو درست کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ ان بے چاریوں کو شدید اذیت دینے لگا اور انہیں اس قدر زدوکوب کیا کہ وہ آج تک حواس باختہ ہیں۔''

(واقعہ یکم رمضان مطابق ۲۳ر دسمبر ۱۹۶۵ء)

ایک خاتون جو بڑی صاحب علم وفضل ہیں اور تبلیغ کے میدان میں بڑی سرگرم رہی ہیں، ان کے بھائی کو اس جیل میں لایا گیا ہے، اور ۲۰ روز تک مسلسل انہیں اذیت دی گئی اور انہیں مجبور کیا گیا کہ یہ تحریر لکھ دیں کہ ان کی بہن جو اس وقت نظر بند ہے بدکار عورت ہے اور پیشہ کرتی ہے۔ مگر وہ یہ تحریر لکھنے سے انکار کر رہے ہیں۔ ان کی حالت ابتر ہو چکی ہے۔ ان کی بہن (خدا اسے سرخرو رکھے) کئی مرتبہ ان سے یہ درخواست کر چکی ہے کہ آپ یہ تحریر لکھ دیں اور عذاب سے اپنی جان چھڑا لیں مگر وہ نہیں مانتے اور بہن سے کہتے ہیں کہ تم میرے لیے بہترین نمونہ بنی ہو میں انشاءاللہ تمہارے لیے نمونہ بنوں گا۔''

''فوجی قید خانے میں نظر بند خواتین کی تعداد ۲۶۳ تک پہنچ گئی ہے۔ احاطہ نمبر ۴ میں مختلف اوقات میں ان کی چیخیں سنائی دیتی رہتی ہیں۔''

''شوقی عبدالعظیم کوٹھڑی نمبر ۴ کی چھت میں یکم رمضان سے سر کے بل روزانہ لٹکائے جا رہے ہیں۔ بالکل برہنہ جسم ہیں۔ چھت پر ایک ٹونٹی لگی ہوئی ہے۔ جس سے پٹرول کے قطرے ٹپکتے ہیں اور شوقی کے سر پر گرتے ہیں۔ اس سے ان کا سانس گھٹتا رہتا ہے۔ یہ عمل روزانہ ۵ گھنٹے جاری رہتا ہے۔ داروغہ جیل بار بار آ کر ان سے پوچھتا ہے کہ: ''کیا تم ابھی پکے مومن ہو؟'' شوقی جواب میں کہتا ہے: ''اے اللہ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو پھر ان مصائب کی مجھے پرواہ نہیں۔'' یہ سن کر داروغہ جیل غصے میں آ کر ان کے جسم میں سگریٹ بجھاتا ہے اور انہیں کوڑے مارتا ہے۔ ایک رفیق نے موقع پا کر شوقی سے کہا: کہ کم از کم خاموش ہی رہا کریں۔'' مگر شوقی نے

جواب میں کہا: "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔"

"۲۵ دسمبر ۱۹۶۵ء کو حسب معمول تعذیب کے لیے پریڈ ہوئی جسے جیل کی اصطلاح میں (Brain Washing) کہتے ہیں۔ آج تین تعلیم یافتہ خواتین کو بھی لایا گیا۔ ہر خاتون ایک چوبی ٹکٹکی سے کسی ہوئی تھی۔ تینوں خواتین نیم عریاں حالت میں تھیں اور خون اور پیپ سے ان کا جسم لت پت تھا۔ صف میں سے قاہرہ کے ایک اخوانی انجینئر محمود عزت اپنی قمیض اتار کر تیزی سے آگے بڑھے اور ایک خاتون کی ستر پوشی کرنا چاہی۔ مگر یکایک ایک فائر ہوا اور محمود عزت زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ باقی لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے کپڑے اتار لیں اور مادر زاد ننگے ہو جائیں اور اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھائے رکھیں۔ یہ لوگ کئی گھنٹہ اسی حالت میں کھڑے رہے اور جب واپس کوٹھڑیوں میں آئے تو ان کے جسم چکنا چور تھے۔ اس پریڈ کو جیل کی اصطلاح میں ایئر فورس کہا جاتا ہے۔"

"استاد منیر ولّہ (جو فاروق کے عہد میں کونسل آف اسٹیٹ کے قانونی مشیر رہ چکے ہیں) کو دل کے دورے پڑ رہے ہیں۔ ان کی حالت بہت نازک ہے۔ اس کے باوجود انہیں کوڑے مار مار کر پریڈ میں شامل کیا جاتا ہے۔"

"صالح ابورقیق (عرب لیگ کے سابق قانونی مشیر) کے بارے میں ہدایات جاری ہوئی ہیں کہ ان کی خبر دوسروں سے زیادہ لی جائے۔"

"نظر بندوں کو ننگا کرنا، انہیں لوہے کی زنجیروں سے باندھ کر ان پر کتے چھوڑنا، جلتی ہوئی آگ میں انہیں پھینکنا، بھائیوں کے سامنے بہنوں کو برہنہ کر دینا، مسلسل بھوکا رکھنا، بجلی کے جھٹکے دینا، نیند سے محروم رکھنا، یہ اذیت کے عام طریقے ہیں جو نظر بندوں پر استعمال کیے گئے ہیں۔"

اور یہ طریقے ان لوگوں کے ساتھ اختیار کیے گئے ہیں جو معمولی نوعیت کے آدمی نہیں ہیں بلکہ خود سرکاری پریس نوٹ کے مطابق ان میں ڈاکٹر، وکیل، انجینئر، پروفیسر، ادیب، عالم، مکینک، تاجر اور سرکاری ملازم کثیر تعداد میں ہیں۔ ہم نے جو تعذیبی کارروائیاں اخبارات سے

نقل کی ہیں وہ چند مثالیں ہیں۔ورنہ ان کارروائیوں کی طویل فہرست ہمارے سامنے ہے۔
لبنان کا ایک عیسائی روکس معکرون جو اس زمانہ میں مصر کی جیل میں تھا اور بعد میں رہا ہو کر آیا، ان مظالم کو دیکھ دیکھ کر صبر نہ کر سکا اور اس نے آزاد فضا میں پہنچ کر ایک پمفلٹ شائع کیا جس کا عنوان ہے 'اقسمت ان اروی ' (میں نے قسم کھائی ہے کہ یہ حالات بیان کروں گا) اس پمفلٹ کو پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔اس کے بعد یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ملزموں نے خود اقبال جرم کر لیا ہے۔دنیا اس قدر بیوقوف نہیں ہے کہ اس دعوے کو من وعن قبول کر لے۔
عدالتی کارروائی کا جو ڈرامہ کھیلا گیا ہے اسے ایمنیسٹی انٹرنیشنل کا تبصرہ واضح کر چکا ہے، عام ملکی عدالتوں کے بجائے فوجی ارکان پر مشتمل خاص ٹریبونل تشکیل دینے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا ملک کی عام عدالتوں پر اعتماد نہیں تھا؟ نظر بندوں کو کسی وکیل کی خدمات حاصل کرنے کا موقع کیوں نہیں دیا گیا؟ بند کمرے میں کیوں سماعت کی گئی؟ عام سامعین اور اخباری نمائندوں کو داخل ہونے سے کیوں روکا گیا؟ سوڈانی وکلاء کو پیروی کی اجازت دینے سے کیوں انکار کیا گیا؟
اس یک طرفہ کارروائی کے ذریعہ سے اپنے ہی ملک کی قیمتی جانوں کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا ہے:

فَانْتَظِرُوْا اِنَّا مَعَكُمْ مُنْتَظِرُوْنَ۔